ابنِ صفی

جلد نمبر
32

جاسوسی دنیا

96- سہمی ہوئی لڑکی

97- قاتل کا ہاتھ

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 32

مکمل سیٹ

96	سہمی ہوئی لڑکی
97	قاتل کا ہاتھ

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلشر..........خالد سلطان

پرنٹر............یمانی پریس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 96

سہمی ہوئی لڑکی

(پہلا حصہ)

پیشرس

ٹنڈو آدم کے ایک ٹیلی فون آپریٹر صاحب کا خیال ہے کہ میرا پچھلا ناول ''آتشی بادل'' محض ''بکواس'' تھا۔

ان کی دانست میں ناول کا نام تو شاندار تھا لیکن اس کے اعتبار سے کہانی پھس پھسی ہے۔ چلئے تسلیم! میں تو ہر بات تسلیم کر لینے کا عادی ہوں۔ محض اس لئے کہ میرے پڑھنے والے ہر طبقے اور ہر عمر سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کے ٹیسٹ میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

ٹیلی فون آپریٹر صاحب نے ''سہ رنگا شعلہ'' میں ''آتشی بادل'' کا اشتہار دیکھ کر اس کے بارے میں کچھ اس قسم کی کہانی خود بنائی ہوگی کہ آگ برساتا ہوا ایک بادل پورے شہر پر مسلط ہوگیا۔ عمارتیں دھڑا دھڑ جلنے لگیں۔ لیکن اُس عمارت پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا جس میں عمران مقیم تھا۔ جب ساری عمارتیں جل کر خاک ہوچکیں تو عمران شور نالہ و بکا پر قہقہے لگاتا ہوا اپنی پناہ گاہ سے برآمد ہوا اور ہزاروں میل دور کے پہاڑوں میں فروکش اس سائنٹسٹ کا ٹیٹوا جادبایا جو ایک بہت بڑی مشین کے ذریعے آتشی بادل بنا بنا کر فضا کو سپلائی کر رہا تھا۔

یار ٹنڈو آدمی صاحب! خود ہی لکھ کر پڑھ لیا کرو۔ میرے پڑھنے

والوں میں فن کے قدردانوں کی کمی نہیں اس لئے مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔

ابھی حال ہی میں میرے ایک معزز ہمدرد نے مشورہ دیا ہے کہ میں کبھی کبھی ایک آدھ ناول اپنے لئے بھی لکھ لیا کروں۔ ''صرف پبلک کے بے حد اصرار'' ہی کا شکار ہوکر نہ رہ جاؤں۔ میرے لئے یہ مشورہ بہت وقیع ہے...... ویسے بھی اب ''طلسم ہوشربا'' قسم کی کہانیاں لکھنے میں میرا جی نہیں لگتا اور یقین کیجئے میں وہی لکھوں گا جو میرا جی چاہے گا۔ پہلے بھی کسی کا مشورہ قبول کئے بغیر لکھتا رہا ہوں۔ لیکن آخر آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ویسی ہی کہانیاں لکھوں جیسی پہلے لکھ چکا ہوں۔ اب بھی جو کچھ لکھ رہا ہوں اگر اس میں نیا پن نہ ہو تو مجھے گولی مار دیجئے اور اپنے ذوق کی تسکین کے لئے دوسروں کو پڑھئے۔ اب میں اکیلا تو نہیں۔ میرے بے شمار ''ناتحقیق بھائی'' منظر عام پر آگئے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ بھی ''صفی'' ہی کی چھاؤں میں پناہ لیتے ہیں۔

ٹنڈو آدمی صاحب آپ جہاں بھی جائیں گے مجھے ہی پائیں گے۔

ورنہ پھر میرے اس مشورے پر عمل کیجئے کہ خود ہی لکھا اور پڑھ ڈالا۔

خیر ختم کیجئے...... کہاں تک لکھتا رہوں اس کے متعلق۔

ایک صاحب نے کسی ایسے مصنف کے بارے میں لکھا ہے جو اپنی کہانیوں میں میرے کردار استعمال کرتا ہے اس نے اپنی کسی کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ وہ میری اجازت سے میرے کردار استعمال کر رہا ہے اور میں نے اُسے اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔

بھئی اس سلسلے میں اس کے لئے میرا مفید مشورہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ میرے کردار استعمال کرنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے۔

ویسے ان صاحب سے درخواست ہے کہ مجھے اس کتاب کا نام اور ادارے کا پتہ لکھ بھیجیں جہاں سے وہ کتاب شائع ہوئی ہے تاکہ میں اس غلط بیانی کی وجہ معلوم کرسکوں۔

اب آیئے ''سہمی ہوئی لڑکی'' کی طرف...... یہ بھی عجیب کہانی ہے کہ جہاں کہانی ختم ہوتی ہے وہیں سے اس کی شروعات ہوتی ہے۔ ہے نا عجیب بات۔

میں اس پلاٹ کو ایک ہی جلد کے ضخیم ناول میں بھی پیش کرسکتا تھا لیکن زیادہ تر پڑھنے والے مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کہانی خواہ دس جلدوں میں پھیلے لیکن ہر جلد کی قیمت زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ ان کے خیال کے مطابق چونکہ میں ایک ''عوامی مصنف'' ہوں اس لئے مجھے عوام کی جیبوں کا وزن بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔

چونکہ اس کہانی کا اختتام ہی دراصل اس کی شروعات ہے اس لئے بعض حضرات کے لئے یہ اطلاع تکلیف دہ بھی ہوسکتی ہے کہ کہانی آگے بڑھ گئی۔ وہ مجھے پھر کچھ اسی قسم کے خطوط لکھیں گے کہ میں ''ہوس زر'' کا شکار ہوگیا ہوں۔ حالانکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی کہانی کی طوالت کی بناء پر کتابوں کی تعداد اشاعت پر تو اثر پڑتا نہیں۔

بہرحال خیال اپنا اپنا......!

ابن صفی

۲۳/اپریل ۱۹۶۶

اچھوتا خیال

ہال میں احمقوں کا ہجوم تھا اور اسٹیج پر ایک امریکی گلوکارہ حلق پھاڑ رہی تھی۔ ہر احمق کے ہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جاتے تھے جیسے وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے پوری لرح محظوظ ہو رہا ہو۔ موسیقی کے اُتار چڑھاؤ پر احمقوں کے سر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ ن کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہو۔ آغوشِ مادر میں بھی انہوں نے دیسی لوریوں کی بجائے ہی سب کچھ سنا ہو۔

ان احمقوں میں وہ سب سے بڑا احمق بھی شامل تھا جس کی عقل ہمیشہ معدے ہی میں مقیم ہنے پر مصر رہتی تھی۔

دوسروں کو محظوظ ہوتے دیکھ کر وہ بھی محظوظ ہونے کی کوشش کرتا لیکن خالی پیٹ کی قراقر کی طرف توجہ زیادہ تھی اور وہ کسی قدر اُداس بھی تھا۔ اداس اس لئے تھا کہ پہلو میں ''حمید بھائی'' کی بجائے ''گلہری خانم'' مقیم تھیں۔

آج کل وہ قاسم کو تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ کیپٹن حمید کا ساتھ نہ ہونے پائے۔ اس کا خیال تھا کہ قاسم کا دماغ خراب کرنے میں پچھتر فیصد اسی کا ہاتھ ہے اور یہی بات س نے عاصم صاحب کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر عاصم صاحب نے گرج کر اپنے رزندِ ارجمند کو حکم دیا تھا کہ اب وہ تنہا باہر نہ نکلا کرے۔

قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور ''قہا'' تھا ''ارے یہ میرے ساتھ قہاں ندھی پھریں گی۔ میں تو دن بھر گھر سے باہر رہتا ہوں۔''

بیوی تڑ سے بولی تھی۔ ''تمہاری بھلائی کے لئے میں یہ تکلیف بھی گوارا کرلوں گی۔''

پھر باپ کے آگے قاسم صاحب کی کہاں چلتی۔ ''گلہری خانم'' تعویذ بن کر گلے میں لٹک گئی تھیں اور قاسم کا خیال تھا کہ اب وہ چوبیسوں گھنٹے سلگ سلگ کر بالآخر بھسم ہی ہوجائے گی۔

بعض اوقات جھلاہٹ میں ایسی حرکتیں کرتا جسے کوئی باسلیقہ آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔ لیکن بیوی شائد اس پر تل گئی تھی کہ ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی۔ وہ اس وقت بھی سوچ رہا تھا کہ پروگرام ختم ہونے پر کھانا کسی نانبائی کی دوکان پر کھائے گا۔ پھر دیکھو کیسے بیٹھتی ہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ۔ سڑک کے کنارے گندی سی بنچ پر اور کیسے کھاتی ہیں میرے ساتھ گندی سی میز پر۔

خدا خدا کرکے ساڑھے آٹھ بجے۔ غیر ملکی موسیقی کا وہ مظاہرہ ختم ہوا۔ دونوں ہال سے باہر آئے اور قاسم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''بھوخ لگی ہے۔''

''اب تم مجھے کھا جاؤ۔'' قاسم کی بیوی جھلا کر بولی۔ ''جب دیکھو تب بھوخ لغی ہے۔''

''میں تو بھینس کے پائے اور تنوری روٹی کھاؤں غا......!''

''کیا کہا......؟''

''وہی جو تم نے سنا......!'' قاسم نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''بہادر شاہ روڈ پر فجا نانبائی کی دوکان ہے۔''

''فجا نانبائی کی دوکان؟''

''غاں......!'' قاسم غرایا۔

''اچھا گھر چلو میں منگوا دوں گی۔''

''نائیں......وہیں بیٹھ کر کھاؤں غا۔''

''کیا......؟'' بیوی اچھل پڑی۔

''سڑک کے کنارے میزیں اور بنچیں پڑی رہتی ہیں۔''

''اور تم سڑک کے کنارے بیٹھ کر کھاؤ گے۔''

''تم بھی بیٹھوغی میرے ساتھ......!''

''ہوش میں تو ہو......!''

''نہیں بے ہوش پڑا ہوں......تم بھی کھاؤ گی......میں بھی کھاؤں گا......!''

''میں بھی کھاؤں گا......!'' بیوی نے جھلاہٹ میں منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتاری۔

''بس دیکھنا......!''

گاڑی فرائے بھرتی ہوئی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ پھر وہ علاقہ بھی نظر آیا جہاں کئی نان بائیوں کی دوکانیں تھیں۔

قاسم نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

''تو تم نہیں مانو گے۔'' قاسم کی بیوی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یعنی بھوکا مر جاؤں تمہارے کہنے پر۔'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''اچھی بات ہے۔'' بیوی نے طویل سانس لے کر کہا۔لیکن اتنا تو کرو کہ گاڑی یہاں سے کچھ آگے بڑھا کر کھڑی کرو۔

''اچھا......اچھا......!'' قاسم نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

گاڑی کچھ دور تک رینگی اور پھر رک گئی۔

''چلو اترو......!'' قاسم نے کہا۔

''میں......دماغ تو نہیں چل گیا۔تم جاؤ......میں یہیں رہوں گی۔''

''اے اللہ......تو پھر میری نگرانی کیسے ہوگی۔'' وہ جلے کٹے زنانہ انداز میں بولا۔''اگر کسی دیگچی یا پتیلی نے مجھے آنکھ ماردی تو قیا ہوگا۔''

لیکن پھر وہ بیوی کے جواب پر دھیان دینے کی بجائے دوسرے منظر میں کھو گیا۔ بائیں جانب ایک دوکان میں ایک درزی جو صورت سے تو شاعر نہیں معلوم ہوتا تھا ایک دبلی پتلی خاتون کی کمر کی پیمائش کر رہا تھا۔

وہاں سے نظر ہٹ کر سائن بورڈ پر آٹھہری۔

''منصور اینڈ سنز......لیڈیز ٹیلرس......!''

''قیا بات ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ سوچ رہا تھا الاقسم یہ ہے زور دار دھندا...... قیا مشکل ہے۔ عیش ہیں سالوں کے۔

''اب کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً بیوی چنچنائی۔ ''یا تو اُترو یا گھر چلو......!''

''اچھا......اچھا......!'' قاسم جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''تو یہ سب کچھ میری جان جلانے کے لئے تھا۔''

''ارے نہیں......ہی ہی ہی ہی! وہ تو مذاخ تھا......!''

''مذاق بھی کر لیتے ہو۔'' بیوی نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

''قیوں نہیں......قیوں نہیں۔ وہ تو میں بہت کر لیتا ہوں......اور ہاں دیکھو اب میں کل سے گھر سے باہر نہیں نقلوں غا......!''

''خیریت......اچانک یہ تبدیلی کیوں۔''

''قچھ نہیں......بس یونہی......اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم تو بہت اچھی ہو۔''

''اللہ خیر کرے...... وہ تو...... وہ تو...... میں بھی سوچتا ہوں کہ اب مجھے کچھ کرنا چاہئے......کچھ سیکھنا چاہئے۔''

''یعنی گھر ہی میں رہ کر......!'' بیوی نے خوش ہو کر پوچھا۔

''اور قیا......شریف آدمی کا بچہ ہوں۔'' قاسم کے لہجے میں اکڑن تھی۔

''بھلا کیوں سیکھو گے۔''

''تم مجھے کپڑا کاٹنا سکھا دو۔'' قاسم گھگھیایا اور بیوی ہنسی کے مارے دوہری ہو گئی۔

ہنستی ہی رہی آخر قاسم جھنجھلا گیا۔

''ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ نئی سوجھی کیسے......؟''

''شوک ہے اپنا اپنا......!'' قاسم نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

''پہلے تو نہیں تھا...... یہ اچانک کیوں......؟''

''اب کھاموش رہو......!'' وہ غرایا۔

گھر آ کر بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جب بے چینی بہت بڑھی تو ڈرائینگ روم میں آ کر فون پر کرنل فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر کیپٹن حمید سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی شائد گھر ہی پر موجود تھا۔

''اوہ......اچھا......آپ ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ابے دکھائی کیوں دیتے آج کل۔''

''بڑی مصیبت میں پھنس غیا ہوں حمید بھائی۔''

''کوئی نئی محبت......!''

''ہائے! اب ایسا کہاں ہے مکدر۔''

''پھر کیا مصیبت ہے۔''

''وہی تمہاری آپا جان......نہیں نہیں صرف آپا......آپا......!''

''جان نہیں......؟'' دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

قاسم کا چہرہ بگڑ گیا اور اس نے حلق کے بل کہا۔ ''نہیں......!''

''خیر چلو......اس وقت بور کرنے کا مقصد......؟''

''ایک نئی ترقیب......!''

''کاہے کی ترکیب......!''

''ہم تم دونوں مل کر درزی کی دوکان قرلیں......!'' قاسم نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کرنے کی آواز سنی۔

''بند قر دیا سالے نے۔'' وہ پرتشویش لہجے میں بڑبڑایا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

''ابے پاگل تو نہیں ہوگیا۔'' دوسری طرف سے حمید دہاڑا۔

''اَے تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔'' قاسم نے گھگھیا کر کہا۔ ''پوری بات تو سن لو۔

قوئی فون میں گھس کر تم پر چڑھ تو نہیں بیٹھوں غا۔"

حمید ریسیور رکھ کر ہنستا ہوا مڑا...... دروازے میں فریدی کھڑا اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"غالباً اب یہ بالکل ہی پاگل ہو جائے گا۔" حمید بولا۔

"کیا کہہ رہا تھا......؟"

"شرکت میں درزی کی دوکان کرلو......؟ لیڈیز ٹیلرنگ شاپ...... کہتا ہے میں نے بیوی کو راضی کرلیا ہے وہ کل سے مجھے کپڑے کاٹنا سکھائے گی۔"

"پھر کیا خیال ہے تمہارا......؟"

حمید اس کے لہجے کی سنجیدگی پر چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ کر نیچے سے اوپر تک جائزہ لینے کے بعد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اُسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ قاسم نے بھی تمہارے لئے وہی سوچا جو میں سوچ رہا تھا۔"

"اوہ تو کیا آپ کی شرکت میں دوکان رکھنی پڑے گی۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں تنہا...... ویسے قاسم کو بھی شریک کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس طرح تمہارا جی بھی بہلتا رہے گا۔"

حمید نے سوچا آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آرہے ہیں حضرت! کیا قصہ ہے......؟ وہ لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر دوسرے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی بولا۔

"ٹھہرو...... تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

حمید نے اس کی طرف مڑ کر طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''دوکان ویل فرنشڈ ہے...... چار عدد پاور مشینیں ہیں اور بھی جو لوازمات ہوتے ہیں سب ہی موجود ملیں گے۔''

حمید نے ایک بار پھر اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سنجیدہ نہیں ہے۔

''یعنی......یعنی......کہ آپ......!''

''ہاں......عزیز القدر......میں سنجیدہ ہوں۔''

''اور اس گھٹیا کام کی نگرانی میرے سپرد ہوگی۔''

''تم سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔'' فریدی پھر مسکرایا۔

''عزت افزائی کا شکریہ۔'' حمید حلق کے بل کراہا تھا۔

''کیوں......؟ کیا بات ہے۔کیا تم کچھ بیمار ہو۔میں تو سمجھا تھا کہ تمہارے مذاق کی چیز ہے۔''

''یعنی میں خواتین کا ٹیلر ماسٹر بن بیٹھوں گا۔''

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اور یہ میرے مذاق کی چیز ہے۔!'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''قاسم لحیم شحیم ہے......لیکن عقل نہیں رکھتا۔تم مختصر ہو لیکن عقلمندی کے ساتھ....اس کے علاوہ اور کیا فرق ہے تم دونوں میں۔''

''شکریہ۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔چند لمحے خاموش رہا پھر پوچھا۔''اور کچھ۔''

''کل تمہیں کاریگروں کا انٹرویو لینا ہے وہیں دوکان پر۔کارخانہ حال ہی میں قائم ہوا ہے۔چار آدمی تو مشینوں پر کام کرنے کے لئے ہوں گے دو آدمی کٹنگ کے لئے۔دو بازار دیکھنے والے اور تم منیجر......صرف زنانہ ملبوسات کا کارخانہ...... آج کے سارے بڑے اخبارات میں اشتہار آئے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا۔''

''کیا نہیں سمجھ سکتے۔''

''اگر یہ اسکیم کسی قسم کی تفتیش سے تعلق رکھتی ہے تو اچانک آج ہی یہ بم مجھ پر کیوں پھٹا......یعنی کل ہی مجھے انٹرویو لینے ہے......دو دن پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔کل اتوار ہے۔اگر میرے کچھ انگیج منٹس ہوئے تو۔''

''کوئی انگیج منٹ نہیں ہے۔میں جانتا ہوں۔''

''آپ یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''مجھے علم ہے۔تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتا۔''

''میں کل دن بھر شہر سے باہر رہوں گا۔''

''اس کا فیصلہ تم نے ابھی اور اسی وقت کیا ہے۔پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔''

''کچھ بھی سہی......میں تو......!''

''کل اتوار ہی سہی لیکن تم ڈیوٹی پر ہو۔''

''اے خدائے لم یزل......!'' حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔''اب ان کی بھی ڈیوٹی کہیں لگوا ہی دے......کیچوؤں تک کے جوڑے لگائے ہیں تو نے......مگر ان کی بار کیوں دیر اتنی کر دی۔''

''کل ٹھیک گیارہ بجے......مارسٹن روڈ......شاپ نمبر گیارہ......!'' فریدی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

وہ جا چکا تھا اور حمید سر تھامے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آیا اسی شکل و صورت میں اُسے یہ نامعقول ڈیوٹی انجام دینی پڑے گی۔

کئی ماہ سے کوئی خاص کام حصے میں نہیں آیا تھا۔اُس نے سوچا شائد اب اس کی کسر نکلنے والی ہے۔

لیکن یہ درزی خانے کی کیوں سوجھی۔اس کی دانست میں تو اس دوران میں سرے سے کوئی ایسا کیس آیا ہی نہیں تھا جس کے لئے اس قسم کے کھڑاگ کرنے پڑتے۔

وہ وہاں سے اٹھ کر لائبریری میں آیا۔ آج کے کئی اخبار میز پر پڑے ہوئے تھے۔ ''ضرورت ہے۔'' کے کالموں پر نظر دوڑانی شروع کی اور بالآخر وہ اشتہار مل ہی گیا۔ انداز کہہ رہا تھا کہ کئی دن سے شائع ہوتا رہا ہے۔

ٹپ ٹاپ لیڈیز ٹیلرز کو کچھ کاریگروں اور کٹرز کی ضرورت تھی۔ پتہ وہی تھا جو کچھ دیر قبل فریدی نے بتایا تھا۔ شاپ نمبر گیارہ مارسٹن روڈ۔

''بھنگی بھی بننا پڑے گا کسی روز۔'' حمید بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔

بہر حال یہ رات تو میری ہے۔ اس نے سوچا۔ اُوہ...... قاسم کیوں نہ اُسے بھی اسی راہ پر لگایا جائے۔ وقت اچھا گذرے گا۔

کچھ دیر بعد اس نے قاسم کے فون کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے اُس کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کہا۔ ''اب تمہیں اپنی نجی دوکان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ اخبارات کے وانٹ والے کالم میں دیکھو۔ مارسٹن روڈ کی شاپ نمبر گیارہ میں ٹپ ٹاپ ٹیلرز ہیں۔ انہیں گاریگروں کی ضرورت ہے۔ کل گیارہ بجے وہ انٹرویو لیں گے۔ عرضی لے کر چلے آنا۔''

''مغر...... مغر...... ابھی تو مجھے قچھ بھی نہیں آتا۔ یعنی کہ کپڑا کاٹنا وغیرہ۔''

''رہے نرے گھامڑ ہی...... ابے ساری رات پڑی ہے...... بیوی سے سیکھ لے...... فی الحال جمپر اور شلوار کافی ہوں گے۔''

''اچھا...... اچھا...... مغر...... میں نوقری قروں غا قیسے...... مطلب یہ کہ ابا جان۔''

''بھیس بدل دیا جائے گا...... بس کل صبح ہی صبح کسی طرح نکل بھاگو۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ذہنی جھٹکے

''میں کہتی ہوں تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔'' قاسم کی بیوی چنچنائی۔

''بس شلوار کاٹنا اور سکھا دو۔''

''تین بج رہے ہیں......گھڑی کی طرف بھی دیکھو......!''

''بب......بس......جلدی سے سیکھ لوں گا۔ ٹانگیں ہی ٹانگیں تو ہوتی ہیں اس میں۔''

''میں کہتی ہوں تمہیں یہ سوجھی کیسے......؟''

''پھر وقت کیسے کٹے غا سالا......!''

''تو یہ وقت کاٹنے کے لئے رت جگا ہو رہا ہے۔''

''غاں......غاں......!''

''ایسی کی تیسی......میں تو سونے جا رہی ہوں۔''

''کس کی ایسی کی تیسی......میری......؟'' قاسم نے غرا کر پوچھا۔

''سب کی ایسی کی تیسی......!'' قاسم کی بیوی نے نیند کی جھونک میں کہا۔

''یعنی ابا جان قی بھی......!''

''ہاں......!'' نیم غنودہ ذہن کا جواب تھا۔

قاسم نے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔

''کیوں دہاڑیں مار رہے ہو......!'' وہ غصیلی آواز میں بولی۔

''ابا جان...... ہاہاہاہا......ہی ہی ہی ہی۔''

''کہاں......کدھر......؟'' وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

قاسم ہنستا ہی رہا......اور وہ جھلا کر کمرے سے چلی گئی۔

''یہ تو گھپلے والی بات ہے۔'' قاسم اپنی ہنسی روک کر بڑبڑایا۔

پھر اُس نے اُس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اُس کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔

لیکن پھر یک بیک آنکھیں چمک اٹھیں۔

''وہ مارا......قاسم بن گیا۔'' وہ دیدے چمکا چمکا کر بڑبڑاتا رہا۔''اتنی دیر جاگی ہے۔اب دس بجے سے پہلے نہیں اٹھ سکے گی۔بس منہ اندھیرے نقل بھاغوں غا...... پتہ بھی نہ چلے گا چپاتی بیغم کو......!''

اور یہی ہوا بھی۔وہ اپنے چٹکیاں لے لے کر جاگتا رہا۔ساڑھے پانچ بجے چپ چاپ کوٹھی سے نکلا اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی پکڑلی۔پھر یہ اور بات ہے کہ ڈرائیوز کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر خراٹے لینے لگا ہو۔اب ذہن پر قابو ہی نہیں رہ گیا تھا۔

ٹیکسی کا انجن راستے بھر اتنا زیادہ شور مچاتا آیا تھا کہ قاسم کے خراٹے ڈرائیور کے کانوں میں نہیں پڑے تھے۔

لہٰذا فریدی کی کوٹھی کے قریب پہنچ کر جب اس نے ٹیکسی روکی تو بُری طرح بوکھلا گیا۔ قاسم ہی کی طرح اُس کے خراٹے بھی عجیب تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو کتے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے سے پہلے غرا رہے ہوں۔

ٹیکسی باہر ہی اس لئے روکنی پڑی تھی کہ پھاٹک بند تھا۔

''صاحب......صاحب۔'' اس نے قاسم کو آواز دی۔لیکن قاسم کو ہوش کہاں۔ پوری رات جاگتے رہنے کے بعد سویا تھا۔نیند بھی بے ہوشی ہی کی طرح ہوئی تھی۔وہ غل غپاڑے کو کب خاطر میں لاتی۔ڈرائیور نے کئی بار آوازیں دیں۔لیکن صرف خراٹے سنتا رہا۔آخر اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے جھنجھوڑنا شروع کیا۔

ایک بار خراٹے رک گئے۔قاسم نے منہ چلاتے ہوئے''غاؤں غاؤں۔'' کی اور پھر خراٹے شروع کر دیئے۔

''کیا مصیبت ہے۔'' ڈرائیور بے بسی سے بڑبڑایا اور پھر اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن نتیجہ معلوم۔ صرف اتنا ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے خراٹے رک جاتے اور ''غاؤں غاؤں'' شروع ہو جاتی۔ ہاتھ پیر اس طرح ہلتے جیسے کوئی ضدی بچہ کسی بات پر پھیل کر مچل رہا ہو۔

جب ٹیکسی ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اُس نے زور زور سے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ لیکن قاسم کی نیند نہ ٹوٹی......فریدی لان پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ ہارن کی مسلسل آوازیں سن کر پھاٹک کے قریب آیا۔

اب کسی قدر اُجالا پھیل گیا تھا۔

ڈرائیور نے فریدی سے کہا۔ ''صاحب یہ یہاں آئے تھے اب سو گئے ہیں تو اٹھتے ہی نہیں کسی طرح۔''

''یہاں آئے تھے۔''

''جی ہاں......یہیں کا پتہ بتایا تھا۔''

فریدی پھاٹک کھول کر باہر آیا۔ قاسم پر نظر پڑتے ہی طویل سانس لے کر بولا۔ ''اندر لے چلو گاڑی۔''

حمید شائد ابھی تک سو ہی رہا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے گزر کر پورچ میں آ رکی۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے تو قاسم کو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی پھر بائیں کان کے نیچے انگوٹھے سے دباؤ ڈالا۔

''ارے باپ رے۔'' یک بیک قاسم دھاڑ کر سیدھا ہو بیٹھا اور پھر عجیب طرح کی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگیں۔ جن میں خوفزدگی اور بوکھلاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔

''جج......جی......غوپ......ہی ہی ہی ہی۔''

''کیا بات ہے؟''

''میں سو گیا تھا شائد۔''

''تو اب نیچے تو اُتر آؤ۔''

''جج......جی ہاں......غاں......!''

قاسم نے ٹیکسی سے اُتر کر کرایہ ادا کیا۔

ذہن اب پوری طرح جاگ اٹھا تھا اور قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت آنے اور اس طرح ٹیکسی میں سو رہنے کی وجہ کیا بتائے گا۔

''سب خیریت ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''اجی کھیریت ویریت کہاں۔'' قاسم نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ''بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔''

''کیسی مصیبت......!''

''بڑے بُرے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ رات بھر نیند نہیں آتی۔''

''خوب......بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ میرے لئے......ہی ہی ہی ہی......قیا بتاؤں قچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بہر حال آئے تو کسی مقصد ہی کے تحت ہو گے۔''

''جی غاں.... .وہ حمید بھائی۔''

''اوہ تو اُن خوابوں کا تعلق اُسی سے ہے۔''

''جی غاں......غاپ......نن نہیں۔''

''وہ ابھی سو رہا ہے۔''

''میں التجا کروں غا......!''

''کیا اُس نے تمہیں بلایا تھا۔''

''جی ہاں......جی ہاں۔''

''کیوں......؟''

''پپ پتہ نہیں......جی ہاں......بب بالکل پتہ نہیں۔''

''تو اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو......؟''

''قق......قید خانے سے نقل بھاگا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا۔ پھر سنبھل کر زیرِ لب بڑبڑایا۔ ''ارے باپ رے یہ کیا کہہ دیا۔''

''ہوں......؟''

''جی کچھ نہیں۔''

''کس قید خانے سے نکل بھاگے ہو۔''

''مجھے بہت زور سے نیند لگ رہی ہے...... یاد نہیں کہ ابھی میں نے کیا کہا تھا۔''

''جی...... ہاں......!''

''اور یہ کس قید خانے کا تذکرہ تھا۔''

''پتہ نہیں۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ''مجھے یاد نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آج شائد اُس سے تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ بہت مشغول رہے گا۔''

''تو پھر بلایا قیوں تھا......؟'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''ہوں......اچھا......!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بہتر یہی ہے کہ تم بھی کچھ دیر سو لو۔''

''الاقسم......میرا ابھی یہی جی چاہتا ہے۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

عرفان کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے اُس پار دور تک بکھرے ہوئے سرسبز درخت کہر کی ہلکی سی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور یہ چھوٹی سی عمارت جس کی ایک کھڑکی سے عرفان باہر دیکھ رہا تھا اس ویرانے میں بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔ دور دور تک آبادی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

یہ عمارت دوسری جنگ عظیم کے دوران بنائی گئی تھی۔ اس سڑک سے فوجی گاڑیوں کے قافلے گزر کر اندرون ملک جاتے تھے اور ہر پچاس میل پر ایسی ایک عمارت ضرور ملتی تھی۔

بعد میں ان میں سے کچھ تو منہدم ہوگئی تھیں اور کچھ محکمہ جنگلات کے کام آئی تھیں۔ لیکن یہ عمارت عرفان نے بڑی کوششوں کے بعد خرید لی تھی۔ وہ ایک کمرشل آرٹسٹ تھا۔ جب شہر کے ہنگاموں سے اکتا جاتا تو اِدھر ہی کا رخ کرتا۔ شہر میں اس کا اچھا خاصا کاروبار تھا تجارتی حلقوں میں اس کا کام بہت مقبول تھا۔

جنگل کے دوران قیام میں وہ خالص آرٹ کے نکتہ نظر سے پینٹنگ بھی کیا کرتا تھا اور یہ پینٹنگس یا تو اُس کے ڈرائنگ روم کی زینت بنتیں یا مخصوص دوستوں میں تقسیم ہو جاتیں۔ وہ انہیں فروخت نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ وہ تخلیقات جو کسی جذباتی لگاؤ کا نتیجہ ہوں ترازو میں نہیں تل سکتیں۔ ان کی اصل قیمت ذوق سلیم ہوتا ہے۔

ان دنوں بھی وہ تجارتی کاموں سے تھک کر یہاں اس ویرانے میں آپڑا تھا اور کینواس پر ایک اچھوتے خیال کو رنگوں میں مقید کرنے کی کوشش جاری تھی۔

وہ ایک خوش شکل اور خوش لباس آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ چند اصولوں کے تحت زندگی بسر کرنے کا قائل تھا۔ اپنے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کی طرح لااُبالی پن کا شکار نہیں تھا۔ تجارتی کاموں سے اتنا کما لیتا تھا کہ اس کے متعلقین اطمینان اور آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شہر سے یہاں تک وہ اپنی چھوٹی سی اسٹیشن ویگن میں آتا تھا اور جتنے دن قیام کرنے کا ارادہ ہوتا اسی کی مناسبت سے ضروریات زندگی بھی اس کے ساتھ ہوتیں، روزمرہ کے کام بھی خود ہی انجام دیتا تھا۔ اگر اس کے لئے مددگار کو بھی ساتھ لاتا تو تنہائی کیسے برقرار رہتی۔ تنہائی جو اس کے منفرد تخلیقی کارناموں کی ماں تھی۔ تنہائی جو اس کی تفریح بھی تھی اور آرام جان بھی۔

حسب معمول وہ آج بھی طلوع آفتاب سے پہلے ہی بیدار ہوا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر اب اسٹوو پر چائے کے لئے پانی رکھنے جا رہا تھا۔

دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے کمرے کے صحن میں کوئی وزنی چیز کافی بلندی سے گری ہو۔ وہ چونکا ہی تھا کہ اب پہلی آواز سے مشابہ کسی قدر ہلکی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے صحن میں آیا اور اُس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ کر رہ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وسط صحن میں چمڑے کا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پڑا نظر آیا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کاسنی رنگ کا ایک لیڈیز کوٹ بھی پڑا تھا۔

اس کی نظر سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ جس کے عقب سے ایک انسانی سر اُبھر کر آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔

عرفان کے ہونٹ کھل گئے آواز نہ نکلی...... یہ کوئی عورت تھی۔ دھند لکے میں چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں اس نے بھی عرفان کو دیکھ لیا تھا یا نہیں۔

پھر دیوار کے اوپر پہنچ کر اس نے صحن میں چھلانگ لگا دی۔

دیوار کم از کم تیرہ فٹ ضرور اونچی رہی ہوگی۔

وہ اس طرح صحن میں آ گری تھی کہ خود سے اٹھنا محال ہی معلوم ہو رہا تھا۔ عرفان اس کی طرف جھپٹا۔

لیکن قریب پہنچتے پہنچتے چھلانگ لگانے والی کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

عرفان نے جھک کر دیکھا۔ سانس کی رفتار نارمل تھی۔

''بیہوش ہوگئی۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

نبض دیکھی وہ بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

بالآخر وہ اُسے کمرے میں اٹھا لایا۔ کمرے میں ابھی تک کیروسین لیمپ روشن تھا۔

اب وہ اس کے خدوخال واضح طور پر دیکھ سکا۔

رنگت سے یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ بال سرخی مائل بھورے تھے۔ جسم متناسب۔ عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس یا پچیس سال رہی ہوگی۔

جسم پر اسکرٹ اور بلاؤز تھے۔ پیروں میں اسٹاکنگس ضرور تھے لیکن جوتے ندارد۔

عرفان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے ہوش میں کس طرح لائے۔ پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی ہو۔ ہڈیوں کو گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ دیوار کافی بلند تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کسمسائی۔ زبان بھی ہلی تھی اور آواز میں ایک بامعنی لفظ کی تکرار تھی۔

''زنجیر......زنجیر......!''

اور پھر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے متحرک تھے۔ لیکن وہ کھلی نہیں تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گہری نیند میں بڑبڑا کر پھر خاموش ہو گئی ہو۔

عرفان دم بخود کھڑا رہا۔

وہ صورت سے یوریشین لگ رہی تھی۔ لیکن لفظ ''زنجیر'' کی تکرار اردو ہی میں ہوئی تھی۔ لہجہ بھی دیسیوں ہی جیسا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھ کر کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''میں......کک......کہاں ہوں۔''

''آپ......آپ......!'' عرفان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُسے کیا بتائے۔

''اُوہ......خدا کے لئے مجھے بچایئے۔'' وہ کہتی ہوئی اچھل کر پلنگ سے اُتر آئی۔ ''مجھے کہیں چھپایئے......وہ بھیڑیا یہاں ضرور آئے گا۔''

''کون......؟''

''مجھے چھپایئے......میں پھر بتاؤں گی۔ یہ جگہ اُس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔''

''مم......میں کہاں چھپاؤں؟''

''میرے ہینڈ بیگ......میرے جوتے......میرا کوٹ......!''

''وہ سب وہیں صحن میں پڑے ہوئے ہیں۔'' عرفان نے کہا۔

''انہیں بھی چھپایئے...... مجھے بھی چھپایئے......جلدی سے کچھ کیجئے۔ ورنہ آپ کو بعد

میں افسوس ہوگا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''کون......؟''

''خدا کے لئے وقت نہ ضائع کیجئے۔ رحم کیجئے میرے حال پر۔''

''یہاں......یہی دو کمرے ہیں اور ایک کوٹھری۔''

''مجھے اس میں مقفل کر دیجئے......جلدی کیجئے۔ صحن کدھر ہے۔ میری چیزوں کو بھی اس کی نظر میں نہ آنا چاہیئے۔''

عرفان اُسے صحن میں لایا اور وہ مضطربانہ انداز میں اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ کوٹ اٹھاتے ہی اُس میں لپٹے ہوئے بغیر ایڑیوں والے سپاٹ جوتے نکل کر فرش پر آ رہے۔ وہ انہیں اٹھانے کے لئے پھر جھکی۔

''ٹھہریئے......میں اٹھائے لیتا ہوں۔'' عرفان بولا۔

کچھ دیر بعد وہ اُس چھوٹی سے کوٹھری میں بند کی جا رہی تھی جس کا مصرف ہی آج تک عرفان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

کنڈی چڑھا کر عرفان نے اُس میں قفل لگا دیا۔

اس کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔

اس سنسان جنگل میں اُس لڑکی کا کیا کام...... یوریشین معلوم ہوتی تھی لیکن اردو کسی اہل زبان کی طرح بولتی تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس پوری گفتگو کے دوران انگریزی کا ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا اور پھر بے ہوشی کے عالم میں بھی اردو ہی کے الفاظ زبان سے ادا ہونے کا مطلب یہی تھا کہ وہ بیداری کی حالت میں سرے سے انگریزی بولتی ہی نہیں۔ ورنہ اپنے یہاں کے دوغلی نسل والے سفید فاموں کی ثانوی زبان تو اردو ہو سکتی لیکن روزانہ زندگی میں وہ انگریزی ہی بولتے ہیں۔

ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔

''یہاں کون ہے......دروازہ کھولو......!'' ایک گونجیلی اور بھاری آواز بھی آئی۔

عرفان کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوگئی۔

''کون ہے......؟'' خود اُس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ہے......دروازہ کھولو......!'' وہی آواز پھر آئی۔

عرفان کمرے سے گذر کر صدر دروازے تک آیا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے کنڈی کھول دی۔کوئی دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس آیا۔ اگر عرفان اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو پیشانی یقیناً زخمی ہوجاتی۔

''یہ کیا لغویت ہے......!'' اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

''یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔'' آنے والے نے غرا کر پوچھا۔

''کیسی لڑکی......تم کون ہو اور اس طرح......!''

''خاموش رہو......صرف میری بات کا جواب دو۔'' آنے والے نے کہا۔

عرفان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ جبڑے بھاری تھے اور پیشانی کی وریدیں اُبھری ہوئی تھیں۔

''کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم اس طرح یہاں کیوں گھس آئے۔'' عرفان نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔''

''نہیں...... یہاں میں تنہا رہتا ہوں۔''

''میں خود دیکھنا چاہتا ہوں......!'' وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''ٹھہرو۔'' وہ آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔''میں جنگل میں مقیم ضرور ہوں لیکن جنگل کے قانون کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔''

''اوہ......!'' اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُسے گھورنے لگا۔

پہلے تو اُس کے چہرے پر کرختگی نظر آئی پھر آہستہ آہستہ وہ کرختگی ایک لمبی سی مسکراہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ دہانہ آدھے گالوں تک پھیل گیا تھا اور دانت نظر آنے لگے تھے۔ عرفان

فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ مسکراہٹ تھی یا کسی کٹکھنے کتے نے دانت نکالے تھے۔

''میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔'' اس بار اجنبی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

''سنئے جناب۔'' عرفان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں شہر سے یہاں ہمیشہ تنہا آتا ہوں اور اس قسم کا آرٹسٹ نہیں ہوں جیسے عام طور پر ہوتے ہیں۔ مجھے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اوہ.....تو تم آرٹسٹ ہو۔''

عرفان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''میرا مطلب تھا کہ یہاں اچانک کوئی لڑکی تو نہیں آئی۔''

''یہاں اچانک۔!'' عرفان نے لہجے میں تحیر پیدا کر کے کہا۔ ''اس جنگل میں۔''

''یہاں...... یہاں...... کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک ریلوے لائن بھی گذرتی ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔'' عرفان بولا۔

''وہ دراصل بہت بڑی مالیت کے زیورات چرا کر بھاگی ہے۔ بذریعہ ریلوے ٹرین ادھر ہی آئی تھی۔ ایک دیہاتی اسٹیشن پر اترنے کی خبر ملی تھی۔ خیال ہے کہ اُس نے انہیں جنگلوں میں پناہ لی ہے۔''

''اوہ ......آیئے...... بیٹھئے......'' عرفان نے کمرے میں داخل ہوکر کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے......اگر آپ پہلے ہی بتا دیتے تو۔''

''کوئی بات نہیں ہے...... اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں بہت پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں......اس لئے۔''

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے۔'' عرفان سر ہلا کر بولا۔ ''گھریلو ملازمائیں بڑی پریشانیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔''

''آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ کوئی گھریلو ملازمہ نہیں۔ ایک خوش شکل اور جواں سال یوریشین ہے۔''

''نہیں۔'' اس بار عرفان نے بہت زیادہ حیرت ظاہر کی۔

''دراصل ہماری فرم زیورات کی تجارت کرتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے شوروم میں سیلز گرل تھی اور جواہرات کا کاؤنٹر اس کے سپرد تھا۔ لاکھوں کی مالیت کے جواہرات لے اڑی ہے۔''

''اوہ......!'' عرفان سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔''اس ویرانے میں اس عمارت کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں وہ پناہ لے سکے۔ ہوسکتا ہے بھوک اور پیاس اُسے ادھر آنے پر مجبور کرے۔''

''ممکن ہے...... ممکن ہے......؟'' عرفان مضطربانہ انداز میں بولا۔

''تو پھر مجھے یہیں ٹھہرنا چاہئے اور اس طرح کہ اُسے علم نہ ہونے پائے اور یہ عمارت اس کے لئے چوہے دان بن جائے۔''

''جی......ای......کیا مطلب......؟''

''ایک چور کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے میرے ہاتھ بٹائیے۔''

''یع......یعنی......کہ آپ یہاں قیام کریں گے۔''

''ہاں......کیا حرج ہے۔ میں آپ کے مشاغل میں حارج نہیں ہوں گا۔ ویسے بھی مجھے مصوری سے لگاؤ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا اُسے کچھ اور آدمی بھی تلاش کر رہے ہیں۔''

''نہیں.....صرف میں ہی۔''

''تب تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ادھر ہی کا رخ کرے ممکن ہے کسی اور طرف نکل جائے۔ اگر دو چار اور بھی اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہوتے تب تو آپ کا یہاں قیام کرنا یقیناً مفید ثابت ہوتا۔''

''مجھ سے بحث نہ کرو سمجھے...... میں چاہتا تھا کہ مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔ لیکن اگر تم مجھے اس پر مجبور کرتے رہے تو......!''

''اوہ......یہ بات ہے۔'' عرفان اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اجنبی غرایا۔

اور عرفان اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ریوالور دیکھ رہا تھا جس کا رخ اُسی کی طرف تھا۔

خون کی لکیر

حمید نے آئینے میں شکل دیکھی اور پائپ کا کش لے کر مخصوص انداز میں ہونٹوں سے دھواں نکالتا رہا۔ اُسے اپنی ننھی سی فرنچ کٹ ڈاڑھی گراں نہیں گذر رہی تھی۔ باریک ترشی ہوئی مونچھیں بھی کسی قدر آرٹسٹک ہی تھیں۔ آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک..... یہ میک اپ اس نے خود ہی کیا تھا۔

کارخانہ بہر حال جم گیا تھا۔ کچھ لڑکیاں آئی تھیں انٹرویو کے لئے۔ حمید کو اس سلسلے میں فریدی سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ کاریگروں کے انتخاب میں کسی خاص صنف کا خیال رکھا جائے لہٰذا اس چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بھی مرد کاریگر کا انتخاب نہیں کیا تھا۔

ایک لڑکی تو اُسے اتنی اچھی لگی تھی کہ لڑ بھڑ کر اس کا انتخاب تو یقیناً کرتا۔ کٹنگ کے لئے ایک معمر اور بہت تجربہ کار عورت رکھی گئی تھی۔

کارخانہ تو قائم ہو گیا تھا۔ لیکن سوال تھا کام کا فوراً ہی کام بھی کہاں سے ٹپک پڑتا۔

اس وقت حمید بحیثیت منیجر ان لڑکیوں کو کچھ ہدایات دیتے دیتے خاموش ہو گیا تھا اور پائپ کو راکھ دان میں خالی کر کے تازہ تمباکو بھرتے ہوئے سوچا تھا کاش قاسم کو بھی اس دھندے میں شامل کرنے کی اجازت ملی ہوتی۔

وہ بے چارا اسی کے لئے رات بھر جاگتا رہا تھا۔ لباس تراشی کی مشق بہم پہنچائی تھی اور منہ اندھیرے اس کے پاس دوڑا آیا تھا۔ لیکن فریدی نے اپنی خواب گاہ میں سلا کر اس کی بیوی کو فون کر دیا تھا کہ وہ وہاں سو رہا ہے۔ لیکن جب تک نیند پوری نہ کرلے اُسے جگایا نہیں جا سکے گا۔

حمید کو گیارہ بجے ٹیلرنگ ہاؤس میں کاریگروں کا انٹرویو لینا تھا اس لئے اُسے اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی چلا جانا پڑا تھا۔ اب اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں سے قاسم ہاتھ لگے تو جی بھی بہلے۔ ورنہ یہ ٹیرلنگ شاپ تو اُس کی زندگی تباہ کر ڈالے گی۔

لڑکیاں سیدھی سادھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جو زیادہ پسند آئی تھی اپنے رویئے میں کسی قدر شوخی کی جھلکیاں ضرور رکھتی تھی۔ لیکن محتاط بھی معلوم ہوتی تھی۔ پھر پہلا دن ہی تو تھا۔ ادھر یہ احساس کہ اسے اُن لڑکیوں پر بالادستی حاصل ہے اور یہی احساس تفریح کرکری کر دینے کے لئے کافی تھا۔

اُسے تو عموماً ایسی لڑکیوں سے دلچسپی ہوتی تھی جو اُس کی پہنچ سے باہر ہوں اور ان تک پہنچنے کے لئے اُسے خاصی جدوجہد کرنی پڑے۔

بہر حال صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی جو اُسے زیادہ پسند آئی ہے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں...... بشرطیکہ آپ اسے پسند فرمائیں۔"

"کیا پسند فرماؤں......؟"

"مطلب یہ کہ......!"

"بات کم سے کم الفاظ میں ہونی چاہئے۔"

"ایک مرد کٹر بھی ضروری ہے یہاں کے لئے......!"

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ یہاں صرف خواتین کے ملبوسات تیار کئے جائیں گے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔"

"اب درزی خانے میں بھی نفسیات چلے گی۔" حمید نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہاں جناب......زندگی کے ہر شعبے میں نفسیات کو دخل ہے؟''

''تو پھر یہاں کپڑے سینے کیوں آئی ہو۔ کسی کالج والج کی لیکچرر شپ کے لئے دوڑ دھوپ کی ہوتی۔''

''سخت نفرت ہے اس زندگی سے ورنہ آپ کی اطلاع کے لئے میں نے پچھلے ہی سال نفسیات میں ایم اے کیا ہے۔''

''تو پھر آپ اس درزی خانے ہی کو کلاس روم بنا کر رکھ دیں گی۔''

''مجھے دستکاری سے دلچسپی ہے۔''

''تو پھر نفسیات میں کیوں جھک مارتی رہی تھیں۔''

''اوہ......ٹھہریئے۔ وہ دیکھئے کچھ خواتین ادھر آ رہی ہیں۔ کم سے کم اُجرت بتایئے۔''

''میں نے ٹیلرنگ میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

تین عورتیں دوکان میں داخل ہوئیں۔ مختلف ملبوسات کی اجرتوں کے بارے میں پوچھتی رہیں اور جلد ہی واپس آنے کا وعدہ کر کے واپس چلی گئیں۔

حمید نے دیکھا کہ وہ لڑکی منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنس رہی ہے۔

اس کا نام رضیہ تھا۔

''کیا یہ بھی کوئی نفسیاتی لمحہ ہے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''آپ اُن سے بالکل کسی پروفیسر کے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔''

''میں پیرس کی ایک بہت بڑی دوکان پر کام کر چکا ہوں۔'' حمید نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ......لیکن میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ آپ جسموں کی پیمائش کے شوق میں اس طرح دربدر ہوئے ہیں۔''

''کیا مطلب...... ہائیں۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''پہلے ہی دن اتنی بے تکلفی...... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''معافی چاہتی ہوں جناب......نفسیاتی مسائل زبان پر ضرور آ جاتے ہیں۔ آخر ایم اے

کیا تھا نفسیات میں اور میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا غصہ قطعی مصنوعی ہے۔ آپ نے پسند فرمائی ہے میری بے تکلفی۔"

"ارے......ارے......!"

"اگر سینے کا کپڑا ہوتا تو میری زبان اس "حجامیت" سے باز رہتی۔"

"حجامیت......میں نہیں سمجھا۔"

"حجام سے بنائی ہے۔ درزی کی قینچی خاموشی سے چلتی ہے اور حجام کی قینچی کے ساتھ زبان بھی چلتی رہتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے دوبارہ لوئر پرائمری میں داخل کراؤ گی۔"

"ویسے آپ بھی مجھے خوش مزاج ہی معلوم ہوتے ہیں۔"

"محترمہ......محترمہ......آپ میری ماتحتی میں کام کریں گی اسے نہ بھولئے۔"

"یہ بھی نفسیاتی۔"

"جہنم میں گئی نفسیات......اب خاموش رہو۔"

"اتنی جلدی غصہ آجانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔" وہ پر تفکر لہجے میں بڑبڑائی۔ "غالباً بچپن کا کوئی کومپلکس......!"

پھر حمید سے مخاطب ہوکر پوچھا۔ "کیا آپ کے والدین سخت گیر تھے۔"

"اٹھائی گیر تھے......تم سے مطلب......؟"

"لیکن کمال ہے کہ غصے کے عالم میں بھی آپ اس قسم کے ٹکڑے لگا سکتے ہیں۔ بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سخت گیر......اٹھائی گیر......واہ سبحان اللہ۔"

"میں کہتا ہوں اب چپ بھی رہو۔"

دوسری لڑکیاں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی کو اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانے کے لئے دوسری طرف بھی مڑ جانا پڑتا۔

دفعتاً معمر عورت بولی۔ "تم واقعی بہت بولتی ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ صاحب ٹھیک تو کہتے

ہیں......تم چاہے جتنی قابل ہو تمہیں ان کی ماتحتی میں کام کرنا ہے۔"

"ارے تو تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے۔" رضیہ اُس کی طرف مڑی۔

"ارے میرے منہ نہ لگنا۔ میں نے نفسیات دفسیات نہیں پڑھی لیکن بولتوں کو چپ کرادینا اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہے۔"

"اچھا......بڑی آئی صورت والی......جھوٹا پھونک دوں گی......!"

"اے زبان سنبھال کے......!"

"چل چکی دوکان۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ یہ گوشت کی دوکان مشہور ہو جائے گی۔"

"اس بڑھیا کو چپ کرائیے۔" رضیہ بولی۔

"اے لڑکی ہوش میں ہے یا نہیں۔" معمر عورت رضیہ کی طرف جھپٹی لیکن حمید ان کے درمیان آ گیا۔

"میں کہہ رہا ہوں تم دونوں ہی خاموش رہو ورنہ ابھی ایک دن کی تنخواہ دے کر رخصت کر دوں گا۔ اوہ......دیکھو......وہ خواتین واپس آ رہی ہیں۔ غالباً کپڑا خرید لائیں۔"

دونوں ہی خاموش ہو کر سڑک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

عرفان دم بخود رہ گیا تھا۔

چپ چاپ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میں یہیں قیام کروں گا۔" اجنبی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

عرفان خاموش رہا۔ وہ اب بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لڑکی کے بارے میں اُسے بتائے یا نہ بتائے۔ لیکن وہ آخر کتنی دیر اس چھوٹی سی کوٹھری میں بند رہ سکے گی۔ اگر یہ آدمی ریوالور کے زور پر یہاں رہ ہی پڑا تو لڑکی کی موجودگی کتنی دیر چھپی رہ سکے گی۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' اجنبی غرایا۔

''کچھ نہیں......!''

''کیا اب مجھے یہ ریوالور ہاتھ ہی میں لئے رہنا پڑے گا۔''

''آپ اسے جیب میں رکھ لیجئے......!'' عرفان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن شریف آدمی ریوالور تو نہیں لئے پھرتے۔''

اجنبی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''کیا تم محکمہ پولیس کے لوگوں کو شریف نہیں سمجھتے۔''

''پولیس...... اُوہ......!'' عرفان نے طویل سانس لے کر کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''تب تو...... تب تو مجھے آپکے ناشتے کا انتظام کرنا چاہئے۔''

''خوب...... یہ اتنی دیر میں پہلی کام کی ہوئی ہے۔ میں رات سے بھوکا ہوں میرے دوست۔'' اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ناشتہ مجھے خود ہی تیار کرنا پڑے گا۔''

''ہم دونوں مل کر کریں گے۔'' اجنبی جلدی سے بولا۔

عرفان سوچ میں پڑ گیا اگر وہ اس مقفل کوٹھری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تو کیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں باورچی خانے میں نظر آئے۔ وہ عرفان سے کہہ رہا تھا۔ ''میں پراٹھے بہت اچھے پکا سکتا ہوں۔''

''اور میں انڈے تلنے کا ماہر ہوں۔'' عرفان نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''تم یہاں اس ویرانے میں کیوں آئے ہو۔''

''کبھی کبھی چلا آتا ہوں کچھ دنوں کے لئے...... ہر آدمی کو کبھی کبھی سکون کی تلاش ضرور ہوتی ہے۔''

''اور اگر یہاں لٹ جاؤ تو۔''

''ارے ہوتا ہی کیا ہے میرے پاس۔ جو کچھ بھی ہوگا خود ہی نکال کر لوٹنے والے کے حوالے کردوں گا۔''

''تصویریں بناتے ہو۔''

''ہاں مصوری میرا پیشہ ہے۔''

''ویسے یہ جگہ بڑی پُر فضا ہے۔ اگر ہم دونوں دوست بن گئے تو میں بھی کبھی کبھی آیا کروں گا۔''

''ضرور......ضرور......!'' عرفان نے سر ہلا کر کہا۔

ناشتے سے فارغ ہوکر وہ باہر ہی کے کمرے میں آ بیٹھے۔ اجنبی مقفل کوٹھری کے قریب سے بھی گذرا تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

ناشتے کے بعد وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آ تا رہا تھا۔

ادھر عرفان سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی بھی بھوکی ہوگی۔ آخر اس کے لئے کیا کیا جائے؟ پتہ نہیں کیوں وہ اُسے چور تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''میں پچھلی رات جاگتا رہا ہوں......!'' دفعتاً اجنبی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس معاملے میں بھی میری مدد کرو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر میں کچھ دیر کے لئے سو جاؤں تو تم اس کا خیال رکھو گے۔''

''کس کا......؟''

''اوہ......اتنی جلدی بھول گئے۔ میں اس چور لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔''

''ارے ہاں......اچھا تو میں کس طرح خیال رکھوں گا۔''

''اگر وہ یہاں پناہ لینا چاہے تو اُسے اندر آنے دینا۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔ لیکن اسے اس کی اطلاع نہ ہونے پائے کہ کوئی اس کی تلاش میں یہاں پہلے ہی سے موجود ہے۔''

''بہت اچھا......!''

''تو پھر مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں مجھے سونا ہے۔'' اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

نشست کے کمرے کے برابر ہی وہ کمرہ تھا اور وہاں صرف ایک ہی بستر تھا۔ عرفان اُسے وہاں لایا۔

پھر شائد دس ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ اُس کے خراٹے گونجنے لگے۔ وہ چپ چاپ اٹھا دبے پاؤں چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک آیا اور آہستگی سے پٹ کھینچ کر بند کئے اور دروازے کو باہر سے بولٹ کر دیا۔ دوسری طرف نکاسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ لہٰذا اطمینان تھا کہ اگر وہ جاگ بھی پڑا تو اس کی مدد کے بغیر کمرے سے باہر نہیں نکل سکے گا۔

اب عرفان اس کی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ لڑکی بند تھی۔

قفل کھولا......لڑکی جھپٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔

''کک......کیا وہ چلا گیا......؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں......دوسرے کمرے میں سو رہا ہے۔''

''کیوں؟ کیا آپ اُسے پہلے سے جانتے تھے؟'' لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔ وہ تو زبردستی دھرنا دے بیٹھا ہے۔ کہتا تھا کہ تم ادھر ضرور آؤ گی پناہ لینے کیلئے۔''

''اوہ......پھر آپ نے کیا کیا......؟''

''مجبوری تھی۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ جسمانی قوت میں بھی شائد مجھ پر حاوی ہے۔''

''آپ نے اچھا کیا......؟ لیکن اُس نے میرے بارے میں آپ کو کیا بتایا۔''

''اُسے چھوڑو۔ پہلے تم ناشتہ کرلو۔ پتہ نہیں کب سے بھوکی ہو۔ ارے ہاں تمہاری چوٹ اب کیسی ہے۔''

''درد ہے بائیں پیر میں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس کوٹھری تک محدود رہو۔ میں تمہارے لئے کچھ لاؤں۔''

''وہ کہاں سو رہا ہے۔''

''کمرے میں۔ میں نے باہر سے دروازہ بولٹ کر دیا ہے۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''وہ جھوٹا ہے اور تب تو اُس نے میرے بارے میں کوئی ایسی ہی کہانی سنائی ہوگی جس سے آپ مجھے ایک مفرور ملزمہ سمجھیں۔''

''ہاں......ایسی ہی کوئی بات تھی۔ بہر حال اب تم کچھ کھا پی لو۔'' وہ اُسے وہیں چھوڑ کر باورچی خانے میں چلا آیا۔

فرائنگ پین کو مٹی کے تیل کے چولہے پر رکھتے ہوئے اس نے سوچا یہ لڑکی چور ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔ اور وہ سُوّر کا بچہ بھی محکمہ پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پراٹھے گرم کرنے کے بعد دو تین انڈے بھی فرائنگ پین میں توڑے۔ اس میں تقریباً دس پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے۔

کوٹھری میں واپس آیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر وہ کمرے کی طرف جھپٹا۔ سونے والے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔

پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ سر چکرانے لگا۔ تو گویا وہ خود ہی موت کے منہ میں جا کودی تھی۔

وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا اور ......اور......!

''اوہ......؟'' وہ جہاں تک تھا وہیں رہ گیا۔

اجنبی پلنگ کے نیچے منہ کے بل پڑا نظر آیا اور خون کی ایک متحرک لکیر اُس کے نیچے سے نکل کر دیوار کی جڑ تک پہنچ رہی تھی۔ عرفان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود اس جگہ سے ہل بھی نہ سکے گا۔ اسی حالت میں کئی منٹ گذر گئے۔

پھر دفعتاً اس نے باہر کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور بے تحاشہ بیرونی

دروازے کی طرف بھاگا۔

اس کی اسٹیشن ویگن بڑی تیز رفتاری سے شہر کی جانب چلی جارہی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''کیا تم کسی عرفان آرٹسٹ کو جانتے ہو۔''

''عرفان...... یاد نہیں آتا...... کچھ اور بھی بتائیے۔''

''تم کبھی قاسم کو کسی آرٹسٹ کے پاس لے گئے تھے۔''

''اوہ...... اچھا ہاں۔ ایک بار اُسے مصوری کا خبط ہوا تھا۔ میں نے کہا تھا اگر سیکھنا ہی ہے تو چلو کسی آرٹسٹ سے ملوادوں۔ مقصد یہ تھا کہ بیچارے آرٹسٹ ہی کا بھلا ہو جائے گا۔''

''تو تم عرفان کو اچھی طرح جانتے ہو۔''

''بس جان پہچان کی حد تک...... وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''جان پہچان کس سلسلے میں ہوئی تھی۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا......؟''

''میری بات کا جواب دو۔''

''مجھے یاد نہیں کہ کب اور کہاں اُس سے متعارف ہوا تھا۔ اس کے بعد جب بھی کہیں ملاقات ہوئی وہ محض مزاج پرسی ہی تک محدود رہی۔''

''تم اس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔''

''کیا قاسم کی کسی حماقت کی داستان آپ تک پہنچی ہے۔''

''میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔''

''میں اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ یہ خواتین بار بار آپس میں لڑ پڑتی ہیں۔ ہاں تو آپ نے کیا پوچھا تھا......؟''

''تم عرفان کے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں......قاسم سے پیچھا چھڑانے کیلئے اُسکے حوالے کر دیا تھا،اور بس......!''

''خیر......تم ٹھیک سات بجے دوکان بند کر کے پرنسٹن کے چوراہے پر مجھے مل جاؤ سات بج کر پندرہ منٹ پر......!''

''یعنی دن بھر کی اس تھکن کے باوجود بھی......!''

دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے کے بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔

حمید ریسیور رکھ کر سر تھامے ہوئے کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

''کوئی خاص پریشانی جناب۔'' رضیہ نے چہک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں جناب۔ دوسروں کی الجھن کے حل تلاش کرنا میری ہابی ہے جناب......!''

''فی الحال میری سب سے بڑی الجھن تم ہو۔ باس تمہارے تقرر کی منظوری دے چکا ہے......اس لئے مجبور ہے۔ ورنہ......ورنہ......!''

''ورنہ آپ مجھے اس ملازمت سے پہلے ہی دن سبکدوش کر دیتے۔''

''نہیں میں تمہارے لئے کچھ اور سوچتا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ سوچتے تو کچھ بھی نہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''اب یہی دیکھئے کہ اس وقت بھی آپ کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ہیں۔ وہ لوگ

جو زیادہ سوچنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے کی فرصت کہاں۔''

''میں پھر کہوں گا کہ یہ نفسیات کی کلاس نہیں بلکہ درزی خانہ ہے۔''

''میں پھر یہی عرض کروں گی کہ نفسیات......!''

''ارے بابا......بس......!'' حمید میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔''میں بھی آدمی ہی ہوں پتھر کی دیوار نہیں ہوں۔''

''آپ آدمی ہیں......اسی لئے تو نفسیات......!''

حمید نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور معمر عورت دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی۔''اتراتے ہی نہیں بنتا بیچاری سے۔''

''ارے تم نے پھر بکواس کی......!'' رضیہ اس کی طرف پلٹی۔

''صاحب......بس اب حد ہوچکی۔'' معمر عورت نے حمید سے کہا۔''میں یہیں اس سے نپٹ لوں گی۔ پھر اب کچھ نہ کہئے گا۔''

''ہاتھاپائی کرو گی تم......!'' رضیہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''خاموش......خاموش......!'' حمید نے میز کھٹکھٹائی۔

''مجھ سے تو جناب ایسی نوکری نہیں ہوسکے گی۔!'' معمر عورت نے حمید سے کہا۔''جہاں کل کی لونڈیاں میرے منہ آئیں۔''

''ارے تو احسان کیا ہے کسی پر چھوڑ جاؤ......!'' رضیہ تڑ سے بولی۔''ایسی ہی نازک دماغ تھیں تو گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں۔''

''آپ سن رہے ہیں۔'' معمر عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید نے بے بسی سے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اور آپ کچھ نہیں کہیں گے اسے......؟''

''میں......بھلا میں عورتوں کے معاملات میں کیسے دخل انداز ہوسکتا ہوں۔''

''اچھا تو جناب! میں چلی، کٹنگ کرنے والے کی بالادستی ہر کارخانے میں تسلیم کی جاتی

ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنی بے عزتی نہیں کراؤں گی جارہی ہوں۔'' معمر عورت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

''اوہو...... یہ مطلب نہیں......!'' حمید گڑبڑا گیا۔

''نہیں جناب...... شکریہ...... میں ایک پل کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔''

''تو یہ جو کپڑا آیا ہے اُسے کون کاٹے گا......؟''

''میں کاٹ لوں گی۔'' رضیہ تڑ سے بولی۔ ''آپ فکر نہ کیجئے۔''

''تم سے تو میں اچھی طرح سمجھوں گی۔'' معمر عورت نے اُسے گھونسہ دکھا کر کہا۔

''یا خدا...... کیا خواتین میں بھی غنڈہ گردی فروغ پارہی ہے۔'' حمید چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

معمر عورت دوکان کے نیچے اتر گئی۔

''یہ تم نے کیا کیا......؟'' حمید نے رضیہ سے کہا۔

''آپ کی ایک غلطی کی اصلاح کی ہے۔ اب جلدی سے ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ ورنہ دوکان ہرگز نہ چلے گی۔ خواتین ادھر کا رخ نہ کریں گی۔''

''ارے تو کیا تم اسے نفسیات خانہ ہی بنا کر رکھ دو گی۔''

''بھٹیار خانہ بننے سے بہتر ہے کہ نفسیات خانہ ہی بنے۔ فی الحال میں ان کپڑوں کی کٹنگ کئے دیتی ہوں۔ لیکن آپ آج ہی ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ خوش پوش اور خوش شکل ہونا چاہئے۔ خوش مزاج بھی ہو تو کیا کہنا۔ تاکہ ناپ لیتے وقت لطیفے اور چٹکلے بھی چھیڑ سکے۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''بس بس......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

اندھیرے میں

فریدی کی لنکن شمال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ اس لئے رفتار بھی خاصی

تیز تھی۔

حمید ٹھیک سوا سات بجے پرنسٹن کے چوراہے پر پہنچ گیا تھا۔ لنکن وہیں ایک جانب کھڑی ملی تھی۔ فریدی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی کوئی تھا جس کی شکل اندھیرے میں دکھائی نہیں دی تھی۔

حمید گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

اُسے قطعی علم نہ ہوسکا کہ جانا کہاں ہے۔

راستے میں حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''پچھلی سیٹ پر کون ہے۔''

''عرفان آرٹسٹ......؟''

''اوہ......تو کیا......؟''

''ہاں یہ حضرت تمہارے ہی حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔''

''کوئی خاص بات......؟''

''جہاں جارہے ہیں وہیں پہنچ کر معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہوسکے گا۔'' پھر بات جہاں کی تہاں رہ گئی تھی۔

منزل مقصود حمید کے توقعات کے خلاف نکلی۔ عمارت کے چاروں طرف جنگل بکھرے ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ آگے بڑھنے لگے۔ عمارت میں بھی اندھیرا تھا۔ عرفان نے کیروسین لیمپ روشن کیا۔

''اُدھر اس کمرے میں جناب۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔

''میرے خدا......؟'' عرفان نے عجیب سی آواز میں کہا اور ہونقوں کی طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہوں...... کہاں ہے وہ لاش؟'' فریدی کا لہجہ پرسکون تھا۔

''مم...... میں کیا بتاؤں جناب...... وہ یہیں پڑی تھی اور خون بہہ بہہ کر اس دیوار تک پہنچ رہا تھا۔''

کیروسین لیمپ کی روشنی دھندلی تھی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور جھک کر کچے فرش کا جائزہ لیا۔

پھر کچھ دیر بعد سیدھے ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ لڑکی کہاں تھی؟''

''اُدھر کوٹھری میں...... چلئے میں دکھاؤں......!'' عرفان بولا۔ اس کی آواز شدت سے کانپ رہی تھی۔

حمید الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر قصہ کیا ہے۔ اُدھوری باتوں سے اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہاں کچھ دیر پہلے کوئی لاش تھی۔ پھر کسی لڑکی کا تذکرہ ہوا۔

تو کیا وہ لاش کسی لڑکی کی تھی؟

اب وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوئے۔

''انداز اُوہ یہاں کتنی دیر تک بند رہی ہوگی۔'' فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

''شائد ڈیڑھ گھنٹے......!''

''آپ نے فائر کی آواز سنی تھی؟''

''جی نہیں...... اسی پر تو حیرت ہے...... اگر اس کمرے میں فائر ہوا ہوتا تو باورچی خانے میں اس کی آواز ضرور سنی جا سکتی۔''

''لیکن مرنے والے کی چیخ تو سنی ہی ہوگی۔''

''ہرگز نہیں جناب...... اگر چیخ کی آواز سن لی ہوتی تو اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑتا۔''

''آپ شہر تک کیسے پہنچے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔ اس کی نظریں کوٹھری کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

''مجھے ہوش نہیں کہ کتنی دور تک اپنی وین کے پیچھے دوڑا تھا۔ ویسے میری رفتار خاصی تیز

تھی۔ کیونکہ وین کافی دور تک مجھے نظر آتی رہی تھی۔ پھر میں تھک کر گر گیا تھا۔ گھسٹتا ہوا سڑک کے کنارے جا پڑا۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد اُدھر سے ایک لوڈنگ ٹرک گذرا تھا۔ میری درخواست پر ڈرائیور نے مجھے شہر پہنچانا منظور کر لیا۔"

"ٹرک کا نمبر یاد ہے آپ کو......؟"

"مجھے اس کا ہوش کہاں تھا جناب۔"

"اپنی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرا ہی دی ہوگی۔"

"نہیں جناب...... میں نے آپ کے علاوہ اور کسی کو بھی یہ واقعہ نہیں بتایا۔ میں جانتا تھا کہ صرف آپ ہی مجھے کسی قسم کے الزام سے بچا سکیں گے۔"

"خیر......اب میں وہ دیوار دیکھنا چاہتا ہوں جس پر سے اس نے صحن میں چھلانگ لگائی تھی۔"

"ادھر سے تشریف لائیے جناب۔" عرفان کوٹھری سے نکل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

دیوار پر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ رینگتا رہا۔ عرفان نے اُسے بتایا کہ سوٹ کیس اور کوٹ کہاں گرے تھے اور کس طرح ان کے گرنے کی آوازیں سن کر وہ صحن میں آیا تھا۔

"اوہ تو کیا کوئی لڑکی کودی تھی دیوار پر سے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں جناب......!"

حمید منہ چلا کر رہ گیا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر بولا۔

"دیوار کے اُس طرف کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں......جنگل ہے......؟"

"دیوار پر وہ کس طرح چڑھی ہوگی بلندی خاصی ہے۔"

"میں اس طرف آج تک گیا ہی نہیں۔"

"خیر......اب دیکھے لیتے ہیں۔"

مکان کی پشت پر پہنچنے کے لئے انہیں گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ بھائیں بھائیں کرتے ہوئے تاریک جنگل کے لئے ٹارچ کی روشنی ناکافی سی لگ رہی تھی۔

حمید کے ہاتھوں میں کئی جگہ کانٹے چبھ گئے۔

''کیا یہ آپ کی مستقل قیام گاہ ہے عرفان صاحب۔'' اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''نہیں جناب...... کبھی کبھی تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں چلا آتا ہوں۔''

''زبان تک بدل جاتی ہوگی یہاں تو......؟''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''مثال کے طور پر اس وقت میرا بھونکنے کو جی چاہتا ہے۔'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہوں...... اُوہ......!'' اس نے فریدی کی آواز سنی۔ ''وہ دیکھئے...... دیوار پر چڑھنا تو بے حد آسان ہے۔ دیکھئے کتنی اینٹیں نکلی ہوئی ہیں۔''

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر اس نے ٹارچ کا رخ ان دونوں کی جانب پھیر دیا۔

دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن حمید نے محسوس کیا جیسے اُس نے پھرتی سے جھک کر کوئی چیز اٹھائی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ پھر مکان کے اندر واپس آئے۔

''تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

''م...... میں کیا بتاؤں جناب...... وہ لاش......!''

حمید نے دیکھا کہ فریدی نے جیب سے ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال لیا ہے۔

''آپ کو عدالت میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے میرا قیمتی وقت کیوں ضائع کرایا تھا۔''

''م...... میں......؟''

''ہتھکڑیاں پہن لیجئے۔''

''م...... میں...... خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔''

''تو پھر دکھایئے نا......وہ لاش کہاں ہے؟''

''اب......مم......میں کیا بتاؤں۔ میری عدم موجودگی میں کسی نے اُسے یہاں سے ہٹا دیا۔''

''عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔'' فریدی نے کہتے ہوئے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

''جناب......جناب......کرنل صاحب۔''

''مجبوری ہے......قانون......!''

''ایسا بُرا برتاؤ تو شاید کسی تھانے پر بھی نہ ہوتا۔''

''وہ اس سے زیادہ بُرا برتاؤ کرتے۔ ایسے حالات میں......!''

''آخر قصہ کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''قصہ بھی یہی بتائیں گے تمہیں۔ تم انہیں شہر لے جاؤ۔ اپنے محکمے کے لاک اپ میں رکھنا۔''

''سنئے تو سہی......جناب......!'' عرفان کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ تھی۔

''عرفان صاحب جو کچھ میں کر رہا ہوں اسی میں آپ کی عافیت ہے۔ محکمہ سراغ رسانی کا لاک اپ آرام دہ ثابت ہوگا۔ سول پولیس کے لاک اپ سے بدرجہا بہتر......اچھا شب بخیر......!''

''کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ صبح جیپ بھجوا دینا۔ ہاں میں یہاں رات بسر کروں گا۔''

پھر فریدی نے مخصوص اشاروں میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ عرفان سے اس کی کہانی سن کر اُسی وقت پریس میں دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ عرفان کی کہانی باور نہیں کی گئی۔ لہٰذا اُسے اسی لئے حراست میں لیا گیا ہے کہ اُس حرکت کا اصل مقصد معلوم کیا جا سکے۔

واپسی پر حمید کار ڈرائیو کر رہا تھا اور عرفان بھرائی ہوئی آواز میں اپنی کہانی سناتے سناتے خاموش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''مجھ سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔''

''کیسی غلطی......؟'' حمید نے پوچھا۔

''لاش کو گھسیٹ کر جنگل میں پھینک آتا۔'' عرفان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''خیال اچھا ہے۔''

''آپ خود سوچئے...... کسی کو کیا پتہ چلتا...... میں نے خود ہی مصیبت مول لی ہے۔ یا پھر مجھے ہی عقل آ گئی ہوتی۔ اس آدمی کو بتا دیتا کہ وہ کوٹھری میں موجود ہے کیونکہ وہ یقیناً چور تھی۔ نہ صرف چور بلکہ ایک سرد مزاج قاتلہ تھی۔''

''یہ بھی ممکن تھا کہ تم اُس صورت میں اس لڑکی ہی کی لاش دیکھتے۔''

''ہرگز نہیں۔''

''اچھا تو پھر بتاؤ کہ وہ لاش کہاں غائب ہوگئی؟''

''یہی سوال تو مجھے بھی پاگل کئے دے رہا ہے۔''

''لاش غائب ہو جانے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ لاش کی تشہیر ہونے میں کسی راز کے فاش ہو جانے کا خدشہ تھا۔''

''کسے خدشہ تھا......؟''

''یہ آپ سوچ کر بتائیے۔''

''میں بتاؤں......؟'' عرفان اچھل پڑا۔

''قطعی......!''

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔ دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔''

''اکثر بد مزاج لوگوں کی بیویاں پڑوس کے آرٹسٹوں سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب فرض کیجئے ایسی ہی کوئی بیوی کسی آرٹسٹ کے پاس جاتی ہے۔ شوہر پہنچ جاتا ہے۔ ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ شوہر ختم ہو جاتا ہے۔ لاش ٹھکانے لگا دی جاتی ہے۔ بیوی اپنی راہ لیتی ہے لیکن آرٹسٹ صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کمزور دل کے واقع ہوئے ہیں۔ ایک کہانی گڑھتے ہیں۔''

''بس...... بس...... خدا کے لئے بس کیجئے۔ نہ میں کمزور دل کا ہوں اور نہ پڑوس کی بیویوں پر جان دیتا ہوں۔ اوہ...... میرے خدا...... میرے حالات کے چوکھٹے میں یہ کہانی بھی فٹ ہو سکتی ہے اور شاید آپ یہ کہیں کہ میں اچھی طرح کہانی کا تانا بانا نہیں بنا سکا۔ اسی لئے

مجھے فائر کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔''

''یہ قطعی ممکن ہے کہ تم فائر کی آواز نہ سن سکو۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کی آواز نہیں نکلتی......صرف گولی نکلتی ہے۔''

''بہرحال......ہوسکتا ہے میں رات بھر میں پاگل ہوجاؤں۔''

''لیکن کہانی تو پاگل ہونے سے پہلے سنائی تھی۔''

''کیپٹن پلیز......میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ دیکھا جائے گا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

کار تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو رفتار کم کر دینی پڑی۔

دور مخالف سمت میں کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی قریب سے گذر گئی۔ حمید نے دیکھا کہ عرفان گردن موڑ کر اُسے دیکھے جارہا تھا۔

''خدا کی قسم......!'' وہ اچھل پڑا۔ ''وہ میری وین تھی۔ موڑیئے......اُدھر ہی موڑیئے۔''

''خاموش بھی رہو یار......اگر تمہاری کہانی پر یقین آگیا ہوتا تو میں اپنی رات برباد کرنے پر تیار نہ ہوتا۔''

''میں کہتا ہوں آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اس گاڑی کا تعاقب کیجئے۔''

''اندھیرے میں گاڑی کیسے پہچان لی۔''

''نمبر......نمبر پلیٹ تو روشن تھی۔ ٹی اے فور سکس تھری فور......میری گاڑی کا نمبر ہے۔ کیپٹن پلیز......!''

لیکن حمید پرواہ کئے بغیر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھاتا رہا۔ گاڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

''تم سب درندے ہو......وحشی ہو...... مجھے پھانسی کے تختے تک لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

عرفان چیخنے لگا۔

''لاش ملے بغیر تم پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچ سکتے۔ مطمئن رہو۔''

''میں کہتا ہوں......وہ میری گاڑی تھی۔''

''رہی ہوگی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔''میرے چیف نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہیں حوالات میں دے کر آرام سے سو جاؤں۔''

''سچ مچ درندے ہو......!''

''ہمیں ہمارے فرائض سب کچھ بنا دیتے ہیں۔''

''میں کہتا ہوں......!''

''کچھ دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ خاموش رہنا چاہتے ہو۔''

عرفان سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

حمید نے دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔ اُس نے سوچا کچھ دیر کے لئے رکنا چاہئے۔

ایک جگہ رفتار کم کر کے گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

''مسٹر عرفان حالانکہ قانوناً درست نہیں......لیکن اگر تم سگریٹ وغیرہ پینا چاہو تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''شکریہ......میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔''میں نے دیر سے پائپ نہیں پیا۔''

''کیپٹن......تم نے مجھ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بے وجہ بھی مر سکتا ہوں۔ لیکن یہ الزام کہ وہ کسی پڑوسی کی بیوی تھی۔ خدا کی پناہ......اگر اس قسم کی کوئی کہانی پریس میں آئی تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔''

''ارے تم کیسے آرٹسٹ ہو...... میں نے کئی آرٹسٹوں کو کہتے سنا ہے کہ اس قسم کے اسکینڈل ان کے فن کو زندگی بخشتے ہیں۔''

''وہ بہروپئے ہیں آرٹسٹ نہیں۔ کوئی بھی فن معصومیت اور پاکیزگی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔''

''کیا تم نے کبھی کسی کو نہیں چاہا۔''

''چاہا ہے......لیکن جسے چاہا ہے اُسے کبھی اس کا علم نہ ہو سکا۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''اگر میں اس چاہت کو لذت اظہار کی نذر کر دیتا تو وہ میرے فن کی رگوں میں دوڑتا ہوا گرم لہو نہ بن سکتی۔''

''واہ یار تم تو الفاظ میں بھی مصوری کر سکتے ہو۔''

''کیپٹن......خدا کے لئے اس قسم کا کوئی اسکینڈل نہ بننے دینا۔''

''ہوں......!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اگر کسی کو چاہا بھی ہے تو محض اپنے فن کی خاطر۔ لہٰذا تم نے اپنے فن کے علاوہ اور کسی کو نہیں چاہا۔''

''مختلف چاہتیں فن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہیں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کسی بھی درخت کو بڑھنے کے لئے کئی برساتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بہت اچھا خیال ہے عرفان صاحب......وہ جو آج کسی دوسرے کی بیوی بنی بیٹھی ہے اس کا لہو بھی تمہارے فن میں شامل ہے۔''

''بیوی......بیوی......بیوی......!'' وہ جھلا کر بولا۔ ''آخر یہ بیوی کیوں سوار ہو گئی ہے تم پر۔''

''ختم کرو......چلو تسلیم کہ تمہارے فن میں کسی بکری کا لہو بھی شامل ہے۔''

''میں اب قطعی نہیں بولوں گا۔'' عرفان جھلا کر بولا۔

''ٹھیک ہے......میں تمباکو نوشی بھی ختم کر چکا ہوں۔ اب ہم خاموشی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔''

انجن جاگا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد عرفان بڑبڑایا۔ ''میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ ایک ڈراؤنا خواب نہیں ہے۔''

''تم شائد اونگھ رہے ہو۔ سو جاؤ۔'' حمید نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اچانک اس طرح گھٹا اٹھے گی اور موسلا دھار بارش شروع ہوجائے گی۔فریدی کو باہر کی فضا کا اندازہ نہیں تھا۔وہ تو انہیں دونوں کمروں تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔

کیروسین لیمپ کی ناکافی روشنی میں خواب گاہ کی ایک ایک انچ زمین کا جائزہ لینے کے بعد وہ سگار سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہوجانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ بارش کے شور سے فضا گونجنے لگی تھی۔

یکلخت بڑی بڑی بوندیں آئی تھیں اور پھر اُن کا زور بڑھتا ہی گیا تھا۔

اس نے سگار سلگا کر روشنی کم کردی اور آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

عرفان کی کہانی کے بارے میں وہ اب تک کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکا تھا۔سب سے پہلے تو وہ یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخراس ویرانے میں آرام کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ شہر کے آس پاس بہتیری ایسی جگہیں تھیں جہاں وہ ذہنی سکون حاصل کرسکتا۔

وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا۔سگار کے جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

دفعتاً وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ حالانکہ فضا بالکل بارش کے شور سے گونج رہی تھی۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔سامنے چھوٹی میز پر کیروسین لیمپ دھیمی لو سے روشن تھا۔

دفعتاً فریدی کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے اچانک حملے کا منتظر ہو۔

بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔اسے یاد آیا کہ اس نے صدر دروازے کی کنڈی

نہیں لگائی اور اب یہ احساس یقین کی شکل اختیار کر چکا تھا کہ اس وقت اس مکان میں اس کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔

یہ خیال صحیح نکلا۔ ٹھیک دروازے کے قریب اس نے کسی آدمی کی تحیر زدہ سی آواز سنی۔ پھر کوئی کھکارا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہاں کون ہے؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر کوئی دروازے سے گذر کر کمرے کے وسط تک چلا گیا۔ یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر پھر دروازے کی طرف مڑا۔

فریدی کے ریوالور کی نال اس کے سینے کا نشانہ لے رہی تھی۔

''اوہ......!'' آنے والے کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' فریدی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

''مم......میں......مطلب یہ کہ......!'' اُس نے ہکلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں؟'' فریدی بولا۔

''وقت کک......کیسا وقت......؟''

''اس طرح یہاں داخل ہونے کے جواز میں کچھ کہنے کے لئے؟''

اُس نے خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''اُس امریکن ٹورسٹ نے کہا تھا کہ وہ مکان اس وقت خالی ہوگا......لل......لیکن مجھے لیمپ کی روشنی نظر آئی......اور......؟''

''یہ جواز تو نہ ہوا......!''

''مم......مطلب یہ کہ......میں یہاں اس کا پرس تلاش کرنے آیا ہوں جس میں اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تھے۔''

''تو پھر کرو تلاش......میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''میرا خیال ہے کہ......!'' وہ طویل سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

''کیا خیال ہے......؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ آنکھیں چرانے لگا۔ جوان آدمی تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال رہی ہوگی۔ صورت سے بُرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

''شاید میں کسی جال میں پھنس گیا ہوں......؟''

''اس کی وضاحت زیادہ مناسب ہوگی۔''

''کیا آج آپ نے کسی امریکن ٹورسٹ خاتون کو یہاں مدعو کیا تھا۔''

''کہے جاؤ......جہاں غلطی کرو گے میں ٹوک دوں گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتا کیا چکر ہے......آج چار بجے شام کو......ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہا تھا۔ وہ آئی اور میری ہی میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔ تارجام سے آئی ہوں۔ اب یہاں سے سیدھی اپنے وطن واپس جاؤں گی۔ میں نے کہا آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ پھر میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ میرے ساتھ چائے پیئے۔ اس نے کہا میں اس پر مجبور ہوں کیونکہ اپنا پرس کھو بیٹھی ہوں جس میں نہ صرف ایک بڑی رقم تھی بلکہ سفر سے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے۔ میں نے افسوس ظاہر کیا اور اُسے اپنے ساتھ قیام کرنے کی دعوت بھی دی۔ جو بلا عذر قبول کر لی گئی۔ میں سیداسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ بہرحال میں اُسے اپنے فلیٹ لے گیا۔ وہ ایک اسٹیشن ویگن میں سفر کر رہی تھی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ اسٹیشن ویگن تارجام سے بہت سستی خریدی تھی اور وطن واپس جاتے وقت وہ اُسے مجھے تحفتاً دے جائے گی۔ خیر میں تو محض انسان ہمدردی کے تحت اُس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ میرے فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے بتایا کہ اگر میں اُس کی مدد کروں تو شائد وہ اپنا پرس حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ تارجام سے ایک آدمی کے ساتھ شہر جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ جو اُسے کچھ دیر کے لئے اس مکان میں لایا تھا اور دوپہر کا کھانا انہوں نے یہیں بیٹھ کر کھایا تھا اور پھر شہر کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ شہر میں وہ ایک جگہ اتر گیا تھا۔ وہ اس کا پتہ نہیں جانتی۔ نام بھی یاد نہیں رہا۔ مجھے

اس نے بتایا کہ مکان اس وقت مقفل ہوگا۔ میں نے کہا میں تالا توڑ سکوں گا۔ بہرحال اس کا خیال تھا کہ پرس یا تو اس مکان میں کہیں گر گیا یا مکان کی پشت والے جنگل میں جہاں وہ کچھ دیر کے لئے گئے تھے۔ خدارا بتایئے کیا آپ وہی آدمی ہیں۔ اس مکان کے مالک۔ یا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

سراغ

بارش تو شہر میں بھی ہوئی تھی۔ لیکن ایسی شدید نہیں جیسی کچھ دیر پیشتر فریدی جھیل چکا تھا۔

اس وقت وہ دونوں شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی نے وین کے نمبروں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ عرفان ہی کی ہوسکتی ہے۔ لیکن فی الحال اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ لاک اپ تک جا کر اس کی مزید تصدیق کر سکتا۔

فریدی کے ساتھ جو نوجوان سفر کر رہا تھا اس نے اپنا نام طارق بتایا تھا۔

سید اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

"میرے ساتھ آیئے۔" طارق نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

فریدی نے اب تک اُسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ طارق پر وحشت سی طاری تھی۔ چلتے وقت اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ایک فلیٹ کے سامنے رک کر اس نے دروازے پر دستک دینی چاہی لیکن ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے والا کمرہ بالکل خالی تھا۔

"آپ کہاں ہیں محترمہ؟" طارق نے کمرے میں داخل ہو کر آواز دی۔ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر پکارا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرا

دروازہ کھولا۔ اسی طرح فلیٹ کے تینوں کمرے دیکھ ڈالے لیکن لڑکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''اب فرمایئے؟'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''کک...... کیا...... عرض کروں...... سمجھ میں نہیں آتا۔''

''فرض کیجئے آپ کو پرس مل بھی جاتا تو......!''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''بھلا قانون کو اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے کہ آپ کی سمجھ میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔''

''پھر بتایئے...... میں کیا کروں۔''

''چپ چاپ میرے ساتھ حوالات تک چلئے۔ کیونکہ آج اس مکان میں ایک قتل ہو چکا ہے اور وہ وین چوری کی ہے جو آپ کو بخشی جانے والی تھی۔''

''آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں۔''

''اگر وہ کوئی امریکن ٹورسٹ ہوتی تو آپ سے بھیک مانگنے کی بجائے سیدھی اپنے سفارت خانے کا رخ کرتی۔''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا تھا کہ اُسے اپنا پرس مل جانے کی توقع ہے اسی لئے ابھی سفارت خانے سے رجوع نہیں کرنا چاہتی۔''

''بہرحال یہ وین جس پر تم سفر کرتے رہے ہو ایک جگہ سے چرائی گئی تھی۔''

''آپ کون ہیں۔ کیا آپ اس مکان کے مالک نہیں ہیں؟''

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''کرنل اے کے فریدی۔'' اس نے بہ آواز بلند اُسے پڑھا اور ہکا بکا رہ گیا۔

''یع...... یعنی......'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔ ''میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔''

''یقیناً......!''

کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر سکوت طاری رہا پھر فریدی نے کہا۔ ''تم گردن تک دلدل میں پھنس گئے ہو۔''

''خدا کیلئے مجھے بتائیے جناب ورنہ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ سول سروس کا امتحان دیا تھا۔ بڑی اچھی پوزیشن میں پاس ہوا ہوں۔ اب وائیوا رہ گیا ہے۔ کرنل صاحب...... مجھے بچائیے۔''

وہ بُری طرح گڑ گڑا رہا تھا۔

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا۔ لیکن تم مجھے مطلع کئے بغیر شہر نہیں چھوڑو گے۔ سمجھے۔''

''ہرگز نہیں...... یقین کیجئے جناب۔''

''اگر وہ شہر میں کہیں بھی نظر آ جائے مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ کارڈ پر وہ نمبر درج ہیں جن پر میں مل سکوں گا۔ محض تمہارا کیریئر خراب ہو جانے کے خیال سے تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ ورنہ اس کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ ایک مسروقہ کار تمہارے قبضے میں رہی ہے۔''

''میں ہمیشہ احسان مند رہوں گا جناب۔ آپ پولیس والوں سے مختلف ہیں۔''

''گاڑی میں لے جا رہا ہوں۔''

''بہت بہتر جناب۔''

پھر وہ فریدی کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آیا تھا۔ فلیٹ سے باہر آنے سے قبل فریدی نے ایک بار پھر فلیٹ کے گوشے گوشے کا جائزہ لیا تھا۔

''ہائیں...... گگ...... گاڑی...... گاڑی کہاں گئی۔'' وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہیں تو کھڑی کی تھی۔''

دور دور تک کسی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

''تم فلیٹ میں واپس جاؤ۔'' فریدی نے اس سے کہا۔

''یقین کیجئے جناب۔''

''مجھے یقین ہے۔''

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مڑا اور عمارت کی طرف چلا گیا۔

پھر تقریباً دس منٹ بعد فریدی کو ایک خالی ٹیکسی ملی تھی۔

گھر واپس آیا تھا تو دوسری حماقتیں پذیرائی کے لئے موجود تھیں۔

برآمدے میں ایک اتنی لمبی چوڑی عورت نظر آئی کہ وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس عورت کی ''ہی ہی ہی ہی'' تو کسی طرح رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید ایک اسٹول پر کسی بت کی طرح بے حس وحرکت بیٹھا تھا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی نے جھلاہٹ میں حمید کو مخاطب کیا۔ لیکن اُس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ دیدے تک پتھرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔

دفعتاً فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور اسٹول سے اٹھا دیا۔

''انہیں معاف کردیجئے۔'' گرانڈیل عورت بولی۔ ''میں نے کہا تھا ان سے۔ الاقسم یہ تو نہیں بنارہے تھے عورت۔''

''تم یہاں آئے کیوں تھے؟'' فریدی اس پر الٹ پڑا۔

''میں اپنی جندگی سے تنگ آ گیا ہوں!'' عورت بولی۔

''آ گئی ہوں بے......!'' حمید نے تصحیح کی۔

''ہوں......تو زندگی سے تنگ آ کر ساڑھی باندھ لی ہے۔''

''جی غاں......!''

''بچے بھی پیدا کرے گا۔'' حمید نے گرہ لگائی اور بے تعلقی سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''اے مجاخ نہ اڑاؤ میرا۔''

''قاسم کہیں تم پاگل نہ ہوجانا۔'' فریدی بولا۔

''اللہ کرے میں تو مر ہی جاؤں۔''

''چھاتی پر دوہتھڑ چلا کر۔'' حمید نے کسی فلم ڈائریکٹر کی طرح ہانک لگائی اور قاسم نے سچ مچ وہ جملہ اسی حرکت کے ساتھ دوبارہ ادا کیا۔

فریدی حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

''اے تو ان کا قیا بگڑتا ہے۔'' قاسم نے حمید سے پوچھا۔

''اب جاؤ مجھے نیند آرہی ہے۔''

''قیا میں اس طرح گھر جاؤں گا۔'' قاسم نے حیرت سے کہا۔

''کیا حرج ہے...... بیوی سے بھی اس میک اپ کی داد وصول کرلاؤ۔''

''سالی دیخ کر جل جائے گی۔''

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جلے بھنے گی تو تم اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرو گے۔''

''اور اگر اُس نے ابا جان کو فون قر دیا تو......؟''

''تم ٹھکو پٹو گے اور وہ اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرے گی۔''

''اے جاؤ...... سالے وہی ڈوب جانے والا مشورہ دو گے۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے قاسم......!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''میں بھی یہیں آرام پھرماؤں گی۔'' قاسم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

''تمہارے سائز کا کوئی بستر موجود نہیں ہے۔''

''دو بستر مال کر قام چل جائے گا۔''

پھر حمید اُسے وہیں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ کی طرف جھپٹا تھا۔ قاسم نے اُس کا تعاقب ضرور کیا لیکن وہ اُسے کافی پیچھے چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

کچھ دیر تک قاسم دروازہ پیٹتا رہا پھر سناٹا چھا گیا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے۔''

''خدا کی قسم میں آج میں نے نہیں بلایا۔ خود ہی آیا تھا۔ کہنے لگا میں نے شلوار میں الاسٹک ڈالنا بھی سیکھ لیا ہے۔ اب ٹپ ٹاپ ٹیلرز کے یہاں نوکری دلوادو۔ میں نے کہا وہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ کہنے لگا تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔ بنا دو مجھے عورت۔ ٹھیک اسی وقت ایک نیا خیال آیا۔ آپ بھی سنئے۔ ممکن ہے آپ بھی اس سے متفق ہوں۔ دوکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا پڑے گا۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قاسم کو ماڈل بنایا جائے۔

ایسی لحیم شحیم عورت آج تک نہ دیکھی گئی ہوگی۔ غرارہ سوٹ پہنا کر عین دروازے پر کھڑا کردوں گا۔اس کے ہاتھ میں ایک بورڈ ہوگا۔ جس پر تحریر ہوگا۔میرے ملبوسات کی فٹنگ آسان نہیں۔ لیکن یہ دیکھئے۔"

دوسری طرف سے فریدی کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی اور اس نے کہا۔"تو تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں پیشہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے ممکن ہے۔" حمید نے رضیہ کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"اتنی زبردست فاقہ کشی کے بعد لمبے دستر خوان ہی کی سوجھے گی۔"

"بکومت......سنجیدگی سے سنو......وہ لڑکی جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہے لہٰذا تمہیں ایک مردکٹر کا بھی انتظام کرنا ہے۔لیکن وہ قاسم نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کل کوئی مردکٹر بھی ملازمت کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچے۔اس بار مت چوکنا۔ پہلے ہی تمہیں ایک مردکٹر ضرور رکھنا چاہئے تھا۔ خیر......! البتہ قاسم کے ماڈل بنائے جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن اس پر تمہاری شخصیت ہرگز نہ ظاہر ہونی چاہئے۔"

"میں سمجھتا ہوں......لیکن کیا آپ اس ذہین لڑکی کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا آج اُسے چھٹی دے دوں گا۔"

"ایسا ہرگز مت کرنا کیونکہ اس پیشے میں تم قطعی نئے ہو۔"

"آپ کی اطلاع کے لئے......وہ لڑکی بھی ماہر نفسیات ہے۔"

"تب تو ہر قسم کی بخیہ گری کرے گی۔ بہرحال اُسے رہنا ہے۔ قاسم سارے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔اس کے لئے کوئی انتظام کرو۔"

"میں تو سونے جارہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا اور حمید نے لمبی تانی۔

دوسری صبح وہ قاسم کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔لیکن اس کے نام ایک پرچہ چھوڑ جانے میں غفلت نہیں کی تھی۔ اُس نے اُسے ہدایت دی تھی کہ وہ زنانہ لباس میں ٹھیک دس بجے ٹپ

ٹاپ ٹیلرز کی دوکان پر پہنچ جائے۔ ساتھ ہی فریدی سے کہتا گیا تھا کہ میک اپ وہی کر دے تو بہتر ہے اور پلاسٹک میک اپ ہی اس کے خار دار گالوں کی اصلیت چھپا سکے گا۔''

گھر سے جلد بھاگنے کے باوجود بھی دوکان پر کسی قدر دیر سے پہنچا۔ لڑکیاں دوکان کے سامنے منتظر تھیں۔ رضیہ چہک کر بولی۔ ''بہت دیر سے تشریف لائے ہیں آپ۔ دوکان کی کنجی میرے پاس بھی ہونی چاہئے۔''

''صرف دس منٹ دیر سے آیا ہوں۔''

''دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔''

''پیشہ آبا سپہ گری رہا ہے۔ سمجھیں...... کسی پشت میں کوئی خیاط نہیں ہوا۔ یہ تو مقدر کی بات ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ٹیلرنگ شاپ کی منیجری حصے میں آئی ہے۔''

''ایک نفسیاتی کمزوری...... آپ اس پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ احساس برتری کا شکار یہ مرض آدمی کو پاگل پن تک لے جا سکتا ہے۔''

''دوکان کھولنے دو گی یا......!'' حمید جھلاہٹ میں اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

''چچ چچ...... یہ غصہ آپ کو لے ڈوبے گا......!''

''اب خاموش رہو۔''

حمید نے دوکان کھولی۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ لیکن رضیہ حمید کے پاس آ بیٹھی۔

''کیوں......؟'' حمید نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''کام ہوگا تو مشین پر جا بیٹھوں گی۔''

''اور کام نہ ہونے پر اس کی اور ر ہالنگ کرو گی۔'' حمید نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''یہ بھی ضروری ہے...... ورنہ آپ پورے کاروبار کو غرق کر دیں گے۔''

''باس کو مجھ پر اطمینان ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''لیفٹیننٹ کرنل صاحب یہ میدان جنگ نہیں ہے۔ درزی کی دوکان ہے، مشینیں کاشن پر پریڈ نہیں کرتیں انہیں چلانا پڑتا ہے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ تم زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں چلا سکتیں۔''

''کبھی کبھی ہاتھ بھی چلتے ہیں۔''

''بدتمیزی برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔''

''لیکن قیافہ کہتا ہے کہ آپ عورتوں کے سلسلے میں سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔''

''صرف عورتوں کے سلسلے میں۔ نفسیات کی کتابوں کی الماری میری دانست میں سوختنی ہے۔''

''اتنی گاڑھی اردو نہ بولئے۔ میں نے نفسیات انگریزی میں پڑھی تھی۔''

''جہنم میں گئی نفسیات......!'' حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم ہٹو یہاں سے۔''

ہاتھ اتنے زور سے مارا تھا میز پر کہ وہ بے ساختہ اچھل پڑی تھی۔ پھر تشویش کن انداز میں اپنی نبض دیکھ کر بولی تھی۔ ''دوران خون تیز ہوگیا۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے اعصابی نظام......!''

حمید اتنی دیر میں دوکان چھوڑ کر فٹ پاتھ پر اُتر آیا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

''آپ کون ہیں......؟'' فریدی نے پوچھا۔

''طارق...... کرنل صاحب سے بس اتنا کہہ دیجیے۔''

''طارق...... اُوہ...... یہ میں ہی ہوں۔''

''کرنل صاحب...... ابھی وہ پھر آئی تھی۔ لیکن گاڑی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ یہ وہی وین تھی جس میں ہم نے پچھلی رات سفر کیا تھا۔ نمبر پلیٹ بھی بدل دی گئی

ہے۔ نمبر نوٹ فرمایئے۔ کے اے ایف ایک تین چار چھ۔"

"ایک سیکنڈ ٹھہرو......!" فریدی نے کہہ کر پنسل اٹھائی اور سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر نمبر تحریر کئے اور پھر بولا۔ "گاڑی کا رنگ کیسا ہے۔"

"چھت سرمئی اور بقیہ حصہ گہرا سیاہ۔"

"اس وقت کیوں آئی تھی اور گاڑی اس طرح غائب ہو جانے کا کیا جواز پیش کیا تھا۔"

"اس کا ایک ہم وطن یاد آ گیا تھا جو شہر ہی میں مقیم ہے۔ اس کی تلاش میں چلی گئی تھی۔ وہ مل گیا۔ اُس کے ڈرائیور کو میرا پتہ بتا کر بھیجا......گاڑی کے نمبر بھی بتائے تھے۔ وہ بے قوف مجھ سے ملے بغیر باہر ہی سے گاڑی لے کر چلا گیا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں جناب......!"

"پھر وہ اس وقت کس لئے آئی تھی۔"

"یہی معلوم کرنے کے لئے کہ پرس ملا یا نہیں۔ قفل توڑنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے کہا پرس تو نہیں ملا۔ قفل بھی آسانی سے ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن خود میرا ایک کام نکل گیا۔ اگر میں اتفاقاً اس سڑک سے نہ گزرتا تو میرے ایک عزیز کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ انہیں اطراف میں شکار کھیلنے گئے تھے۔ انکی جیپ خراب ہو گئی تھی۔ جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ مستزاد یہ کہ بارش بھی ہونے لگی تھی۔ بہر حال میری وجہ سے شہر تک پہنچ سکے۔"

"تم بہت ذہین معلوم ہوتے ہو طارق......تم نے بہت اچھا کیا۔ لیکن تمہیں اس کا خیال کیسے آیا تھا۔"

"اس طرح اچانک گاڑی کے غائب ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فلیٹ سے چلے جانے کے بعد بھی آس پاس ہی منڈلاتی رہی تھی۔ لہٰذا اُس نے آپ کو میرے ساتھ ضرور دیکھا ہوگا۔"

"بہت اچھے۔"

"سول سروس کے امتحان کے لئے ذہن کو مخصوص قسم کی تربیت دینی پڑتی ہے۔ امیدواروں میں کم از کم اتنی سوجھ بوجھ تو ہونی ہی چاہیے۔"

''یقیناً...... یقیناً...... اچھا تو پھر تمہارے اس جواب پر اس نے کیا کہا۔''

''کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولی تھی کہ اب اُسے سفارت خانے سے دوبارہ مغز پچی کرنی پڑے گی۔ میں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ مسکرا کر شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے پوچھا تھا کیا وہ پھر ملے گی جواب میں اس نے کہا تھا بشرط فرصت اور چلی گئی تھی۔ بس مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے جناب...... کہ میں نے اس کا موجودہ پتہ نہ پوچھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ بہر حال تم نے بروقت مجھے اطلاع دی اس کا شکریہ۔ میرے لئے اچھے معاون ثابت ہوئے ہو۔''

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور طارق کے بتائے ہوئے گاڑی کے نمبر دہراتے ہوئے کہا ''وین کی چھت سرمئی ہے اور بقیہ حصہ سیاہ۔ خاص طور پر نظر رکھی جائے۔ ریڈیو کارز کو اطلاع دے دو۔''

سلسلہ منقطع کر کے اس نے سگار سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے فائیل کی ورق گردانی کرنے لگا۔

اس کی دانست میں اس عورت نے طارق پر نہ صرف پچھلی رات والے واقعات کا ردعمل معلوم کرنا چاہا تھا بلکہ اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عرفان پر کیا گذری۔ کیا وہ پولیس تک خود ہی جا پہنچا ہوگا۔

ویسے عرفان کی کہانی تو آج کے اخبارات کا خاص موضوع تھی اور کھلے ہوئے الفاظ میں اس کے حراست میں لئے جانے کی تشہیر کی گئی تھی۔

لیکن ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے ذمہ دار آفیسروں کا یہ نظریہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ یہ کس قسم کی پیش بندی بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں سرے سے کسی لاش کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ ایسی کوئی عورت عرفان سے نہ ٹکرائی۔ فریدی کو اس خبر کی ترتیب پسند آئی تھی۔ اس نے حمید کی محنت کی داد دینے کے لئے فون پر دوکان کے نمبر ڈائیل کئے۔

''کہو دوکانداری کیسی ہو رہی ہے۔''

''لاجواب......!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اب کسر اس بات کی رہ گئی ہے کہ میں بھی ساری لپیٹ کر اس تکا فضیحتی میں شامل ہوجاؤں۔ ارے دماغ چاٹ کر رکھ دیا ہے اس ماہر نفسیات نے میرا۔ پتہ نہیں یہ کس سنہ عیسوی کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔''

''حوصلہ بلند رکھو...... جیت تمہاری ہوگی۔''

''اگر میں باقی بچا تو۔''

''بہت دل برداشتہ معلوم ہوتے ہو۔''

''ایسا ویسا......؟''

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔ صاحب اس سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ مجھے ایک بھینس خرید دیتے اور بین خود خرید لیتا۔''

''عرفان والی کہانی کی سیٹنگ کے سلسلے میں مبارکباد قبول کرو۔''

''پسند آئی۔''

''بہت زیادہ...... اچھا دیکھو تمہیں خصوصیت سے ایک لڑکی کو ذہن میں رکھنا ہے۔ صورت سے غیر ملکی معلوم ہوتی ہے۔ کسی سفید نسل سے متعلق۔ امریکی لہجے میں انگریزی بولتی ہے اور اردو پر بھی کسی اہل زبان ہی کی طرح قادر ہے۔ بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ ٹھوڑی پر بائیں جانب ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل ہے۔ بالوں کی رنگت تبدیل کی جاسکتی ہے اور سرخ رنگ والا تل بھی سیاہی اختیار کرسکتا ہے۔''

''پھر......!''

''ایک اصول بناؤ...... غیر ملکی عورتوں کے ملبوسات کی پیمائش تم خود ہی کرو گے۔''

''اب آپ میری قبر کی ناپ بھی ملاحظہ فرمایئے...... لمبائی چھ فٹ اور چوڑائی ڈھائی فٹ......!''

''بکومت سنجیدگی سے سنو...... قریب سے تم اندازہ کرسکو گے کہ تل کی رنگت تبدیل کی گئی ہے۔''

”ارے تو یہی دوکان کس حکیم نے لکھ دی ہے نسخے میں.....ارے خدا غارت کرے تمہیں نفسیات کی بچی۔“

”کیا بک رہے ہو.....؟“

”معاف کیجئے گا آپ سے مخاطب نہیں تھا۔کل تک اکیلے وہی دماغ چاٹتی تھی۔آج سب مل کر چاٹ رہی ہیں.....اور ہاں سنئے وہ ماڈل پہنچ گیا ہے۔فٹ پاتھ پر کئی بار بھیڑ لگ چکی ہے.....چالان کا ڈر ہے۔“

”بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی کوشش مت کرنا.....سمجھے؟“

”مطمئن رہئے..... ہاں تو.....وہ امریکن.....!“

”میرا خیال ہے کہ اب اُسے مقامی ملبوسات ہی میں دیکھا جاسکے گا۔خیر بہرحال آنکھیں کھلی رکھنا۔“

سلسلہ منقطع کر کے وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو.....!“ اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

”فریدی اسپیکنگ.....!“

”اس وقت وہ گاڑی مغرب کی سمت عابد روڈ پر جارہی ہے۔نمبر وہی ہیں جو ہمیں ملے تھے لیکن باڈی پورا کا پورا سرمئی ہے۔“

”کون ڈرائیو کررہا ہے؟“

”کوئی عورت.....!“

”غیر ملکی ہے۔“

”نہیں جناب.....مقامی ہی معلوم ہوتی ہے۔“

”کس بناء پر مقامی معلوم ہوتی ہے۔“

”یہ معلوم کرنا پڑے گا۔ہم نے ایک ریڈیو کار سے رابطہ قائم کررکھا ہے۔“

”میں ہولڈ ان کئے ہوں۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

''ہیلو......!''

''ہاں......کہو......!'' فریدی بولا۔

''وہ ساری میں ملبوس ہے۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔ چہرے کی رنگت سفید...... بالوں کا رنگ سیاہ۔''

''اب وہ کدھر جارہی ہے۔''

''عابد روڈ سے تھرٹین اسٹریٹ میں مڑی ہے۔''

''اچھا......اس ریڈیو کار کو اطلاع دو کہ میں تین منٹ بعد اس سے براہِ راست رابطہ قائم کرلوں گا۔ سوئچ آن رکھے۔''

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ اٹھا اور کمرے سے نکل کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔ ایک ریڈیو کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بڑی تیزی سے انجن اسٹارٹ کیا اور ریڈیو کا سوئچ آن کر کے مائیک میں کہا۔

''ہیلو......ہیلو......فریدی اسپیکنگ......!''

''یس سر......!''

دوسری طرف سے آواز آئی۔

''پریذنٹ پوزیشن......!''

''وہ ے پول ہوٹل میں داخل ہوئی ہے جناب......!''

''سوئچ آن رکھو......!''

''اوکے سر......!''

فریدی نے کار بیک کر کے پارکنگ شیڈ سے نکالی اور اُسے پھاٹک سے گزارتا ہوا سڑک پر آ گیا۔

ریڈیو کا سوئچ کھلا ہوا تھا۔

کار کا حادثہ

ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر اتنا کام آ گیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی دانست میں وقت پر اُن کا پورا ہونا محال ہی تھا۔ رضیہ چہکتی رہتی۔ اس کی بوکھلاہٹوں کا مضحکہ اڑاتی اور وہ تاؤ کھاتا۔

قاسم بھی بدستور موجود تھا۔ دوکان کی پبلسٹی کا باعث وہی تو تھا۔ ایک سرخ و سپید لحیم شحیم عورت جو عورتوں کو اس طرح ندیدے پن سے گھورتی کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگتیں اور اس کے دانت نکل پڑتے۔

دروازے کے قریب کھڑا ہوتا۔ جسم پر کبھی ساری ہوتی اور کبھی غرارہ سوٹ۔ پبلسٹی کا بورڈ اٹھائے کبھی کبھی بسورتا بھی دکھائی دیتا۔ ہاتھ دکھ جاتے لیکن حمید کا حکم تھا کہ ایک گھنٹے کے وقفے ہی سے وہ اپنے ہاتھوں کی پوزیشن بدل سکے گا۔

آج صبح ہی صبح دونوں میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ حمید نے کہا تھا کہ وہ اُس کا حساب کر دے گا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

''یہ قیسے ممکن ہے...... میں تو نہیں...... جاؤں غا...... اررر...... غی......!''

''بورڈ اُدھر رکھ دو۔'' حمید نے ڈانٹ کر کہا تھا۔

''ابھی تو قچھ ہوا ہی نہیں بورڈ کیسے رکھ دوں۔''

''کیا نہیں ہوا......!''

''مطلب یہ کہ دھندا ابھی چلا کہاں ہے؟''

''بس اتنی ہی پبلسٹی کافی ہے۔''

''قون قہتا ہے......!'' قاسم نے اس طرح کہا تھا جیسے اس سلسلے میں وہ خود بھی کوئی پلان رکھتا ہو۔

''ارے دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔''

''ختم کیجئے۔'' رضیہ بیچ بچاؤ کی غرض سے بولی تھی۔ ''کچھ دن اور سہی آخر آپ اتنا گھبراتے کیوں ہیں......نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''نفسیاتی نقطہ نظر کی ایسی کی تیسی۔ تم کیوں دخل اندازی کر رہی ہو۔''

''میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ یہ ماڈل کچھ دنوں اور کام کرے اس کے بعد میں خود اس کے لئے کوئی دوسرا کام تلاش کروں گی۔ مجھے ہمدردی ہے اس بیچاری سے......!''

''ہے نا......!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

رضیہ پھر فراکوں کے گلے بنانے لگی تھی۔ وہ صرف گلے ہی بناتی تھی۔ خود کو اس کی اسپیشلسٹ کہتی تھی۔

اس وقت وہ بیکار بیٹھی۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ کسی قدر سکڑے نظر آرہے تھے۔ دوسری لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ کٹر سامنے پڑے ہوئے کپڑے پر نشانات لگا رہا تھا اور حمید دانتوں میں پائپ دبائے پر تفکر انداز میں قاسم کا جائزہ لے رہا تھا جس نے ابھی ابھی پوزیشن تبدیل کی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم اسے پہچان لے تو اس کا رویہ کیا ہوگا۔

ویسے قاسم کی وجہ سے ایک الجھن بڑھ گئی تھی۔ وہ تھی اس کی ذہنی رو......جس کے تحت وہ خود کو کبھی مذکر بولتا تھا اور کبھی مؤنث! حمید کا خیال تھا کہ رضیہ اس کے بارے میں مطمئن نہیں۔ پھر زنانہ اور مردانہ آوازوں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ قاسم بھلا اپنی آواز پر قابو کیسے پاسکتا جب کہ ذہن ہی قابو میں نہیں تھا۔

بہرحال حمید کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب قاسم کو چلتا کرے۔ دوکان کی خاصی پبلسٹی ہو چکی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دوکان کے قیام کا مقصد سچ مچ تجارت ہی ہوگا۔ کسی خاص اسکیم کے تحت ہی ایسا ہوا تھا۔

فریدی کی پرانی عادت تھی کہ تفتیش کے دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے بعض افعال کی وضاحت نہیں کرتا تھا۔

حمید خیالات کی رو میں بہتا رہا۔

''اے مجھے اس طرح کیا گھور رہی ہو......؟'' اس نے رضیہ کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

قاسم کے دانت نکل پڑے تھے اور وہ اب بھی رضیہ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اُدھر کیوں دیکھ رہی ہو۔'' حمید نے قاسم کو للکارا۔

''آخیں پھوڑ دو......!'' قاسم جل کر بولا۔ ''قیوں نہ دیخوں......!''

''پتھر ماروں گی سر پھٹ جائے گا۔'' رضیہ چنچنائی۔

''نفسیاتی پتھر......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''ہاں...... ہاں...... نفسیاتی......!'' رضیہ بھنا کر بولی۔ ''اس حرام زادی کی جنس بدل جائے گی۔ دیکھئے گا......!''

''قیا......قہا......حرام زادی......!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پھر ہنس پڑا اور بولا۔

''جو حرامزادی ہو وہ بُرا مانے......!''

''خاموش رہو...... خاموش رہو......!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''یہ درزی خانہ ہے بھٹیار خانہ نہیں۔''

قاسم ہنستا رہا۔

رضیہ حمید سے بولی۔ ''اب یہاں یا میں رہوں گی یا یہ......!''

''اے واہ بی بی۔'' قاسم نے ناک پر انگلی رکھ کر لچکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی میری ترپھداری کر رہی تھیں اور اب آپے سے باہر ہوگئیں۔ اللہ تیری کدرت۔''

''یہ میرا فیصلہ ہے جناب......!'' رضیہ نے حمید سے کہا۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے......!'' حمید نے کہا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اور آپ بھی سنجیدگی سے سنئے۔''

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک گاہک دوکان میں داخل ہوئی۔ ادھیڑ عمر کی پروقار عورت تھی۔ لمبی سی قریبی ماڈل کی ایک گاڑی سے اُتری تھی۔

''میرے کپڑے......!'' اس نے حمید سے کہا۔

''جی ہاں...... تیار ہیں......!'' حمید کی بجائے رضیہ نے جواب دیا اور اٹھ کر شوکیس سے ایک جوڑا نکالا۔

عورت کچھ دیر تک جوڑے کا جائزہ لیتی رہی پھر کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''موریاں بنائی ہیں شلوار کی یا مونگ کے پاپڑ بیلے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی محترمہ......!''

''بکرم ہے اس میں......؟'' عورت غرائی۔

''جی ہاں......؟'' رضیہ نے کہا۔

''یہ سراسر بکواس ہے......!'' عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

''وہ کیا جانیں۔'' رضیہ بولی۔ ''موریاں میں نے بنائی تھیں۔''

''تب تو بہتر یہی ہوگا کہ تم نہ بنایا کرو۔''

''کیا میں اُدھیڑ کر دکھاؤں بکرم آپ کو۔'' رضیہ نے بھی کسی قدر تیز ہو کر کہا۔

''نہیں نہیں تم خاموش رہو۔ ممکن ہے یہ خاتون درست کہہ رہی ہوں۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''آپ کل لے لیجئے گا محترمہ۔ میں دوسرا بکرم رکھوا دوں گا۔ وہ کیا کہتے ہیں گھوڑے کی دُم کے بالوں والا۔''

''اور ستیاناس کرو گے۔''

''اچھا پھر جیسے آپ فرمائیں۔''

''میں کہتی ہوں اس میں بکرم نہیں ہے۔ یہ لڑکی جھوٹ بولتی ہے۔''

''بہت ہو چکا۔'' رضیہ تیور بدل کر بولی۔ ''بہتر ہے آئندہ آپ کسی اور سے سلوائیں۔''

''ارے ارے...... دماغ تو نہیں چل گیا۔'' حمید بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''معاف فرمایئے گا...... بات دراصل یہ ہے کہ یہ لڑکی نفسیات کا شکار ہے۔ میں ان موریوں کو دوبارہ بنواؤں گا۔''

''میں تو ہرگز نہیں بناؤں گی۔''

''تم پھر بولیں۔'' حمید کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

''تم ایسے بدتمیز لوگوں کو رکھتے ہی کیوں ہو۔'' عورت نے رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''اے......!'' دفعتاً قاسم کی للکار سنائی دی۔ ''بدتمیج وتمیج نہ کہنا اچھا......نہیں تو......!''

''تم سب بے ہودہ ہو۔'' عورت نے پیر پٹخ کر کہا۔ ''اُسے ٹھیک کرو۔ اچھا میں کل اپنے ملازم کو بھیجوں گی......تیار ملے۔''

''جی بہت اچھا محترمہ......!'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

عورت رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

حمید اس وقت قطعی بھول گیا تھا وہ حقیقتاً کون ہے۔ رضیہ پر اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ اُس میں اور ایک درزی خانے کے بھڑکے ہوئے منتظم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔

''میں اب تمہیں نہیں برداشت کرسکتا۔'' وہ غصہ سے ہانپتا ہوا بولا۔

''ہم دونوں قو رکھنا پڑے گا......!'' قاسم باہر سے غرایا۔

''تم چپ رہو۔''

''اے...... جبان سنبھال کے...... ورنہ اٹھاؤں گا کرسی سے اور توڑ مروڑ کر سڑک پر پھینک دوں غا......غی......غی......غی......!''

''آپ لوگ جھگڑا نہ کریں۔'' ایک لڑکی بڑے نرم لہجے میں بولی۔ ''بکرم کا کام اب میں کیا کروں گی۔ میرے کام سے آج تک کسی کو بھی شکایت نہیں ہوئی۔''

اس لڑکی کا نام فرزانہ تھا۔ بہت ہی کم سخن تھی۔ حمید نے تو ابھی تک اُسے قہقہہ لگاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ بہت زیادہ ہنسی کی بات ہوتی تو بس ہونٹوں میں خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہو جاتا۔ جسے مسکراہٹ بھی سمجھا جاسکتا تھا اور دوسرے ہنسنے والوں کی بے عقلی پر ماتم بھی۔

''نہیں...... اس گدھی کی بچی کی موریوں میں تو بکرم میں ہی رکھوں گی۔'' رضیہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس کے بعد پھر جو چاہے انتظام ہو...... پلاسٹک کا بکرم رکھوں گی تاکہ پریس کرتے وقت مزہ آجائے بیگم صاحبہ کو۔''

''کیا میں اُلو کا پٹھا ہوں۔'' حمید جھلاہٹ میں سر سے پاؤں تک بل کر رہ گیا۔

''میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔''

''میں بھی نہیں قہہ سکتی۔'' قاسم نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''لیقن اگر مجھے یہاں سے نقالا گیا تو کہنا ہی پڑے گا۔''

''شٹ اپ......!''

رضیہ نے قاسم کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔ بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی اور وہ ہونٹ بھینچے ہوئے سڑک کی جانب مڑ گیا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

حمید کچھ دیر تک بے حس وحرکت بیٹھا رہا پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دو تین کش لینے کے بعد اُسے خیال آیا کہ وہ درزی نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے اور چونکہ یہ کسی قسم کا ڈرامہ ہی ہے اس لئے کبھی کبھی اس قسم کا نیچرل پچ اُسے ناگوار نہ گذرنا چاہئے۔

اس نے رضیہ کی طرف دیکھا جو مشین کے قریب سر جھکائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

پائپ کے مزید دو تین کش غصے کو بالکل ہی زائل کر دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔''اگر تم نفسیاتی نکتہ نظر سے اپنے الفاظ واپس لے لو تو میں....!''

''میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔'' رضیہ نے سر اٹھا کر کہا۔

''الاقسم بالکل بہت بے وقوف ہو تم......!'' قاسم بے ساختہ بول پڑا۔''میں تو اپنے الپھاس واپس نہیں لوں غی۔''

حمید اُسے نظر انداز کر کے بولا۔''میرا خیال ہے کہ بکرم والا کام تم فرزانہ ہی کے سپرد کر دو۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ہت تیری کی......!'' قاسم نے پبلسٹی بورڈ پھینک کر اپنی رانوں پر دو ہتھڑ چلایا اور چند لمحے رضیہ کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔''بہت بجدل ہو......الفاظ بھی واپس لئے اور اب کوئی

اعتراض بھی نہیں ہے۔"

"ارے تم اپنا کام کرو میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں بوا......!"

"اے جبان سنبھال کے...... بوا ہو گی تم......!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے......تم تو باؤ ہو۔" رضیہ ہنس پڑی۔

"یہ تم نے بورڈ کیوں گرا دیا۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"اپھسوس کے مارے......!" قاسم نے سڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"اٹھاؤ بورڈ......!"

قاسم نے جھک کر بورڈ اٹھایا۔لیکن بورڈ سمیت دوبارہ سیدھے ہوتے وقت توازن قائم نہ رکھ سکا......چلا آیا منہ کے بل نیچے۔

آس پاس کے لوگ دوڑ پڑے۔

لڑکیاں بے تحاشہ ہنس رہی تھیں اور قاسم چنگھاڑ رہا تھا۔"کھر دار جو قسی نے ہاتھ لگایا۔ دور ہٹو......دور ہٹو......میں کھد اُٹھ جاؤں گی......غرے......غرے...... باپ ریغ......!"

بدقت تمام اٹھا اور بورڈ کو ایک کنارے رکھ کر دوکان کے اندر چلا آیا۔

"اب قسی کے منہ سے نہ پھوٹے غا کہ میں بھی جرا سا آرام کرلوں۔" وہ ہانپتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر پہلے سے بھی زیادہ ہانپنے لگا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔حمید اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

"ہیلو......!" ماؤتھ پیس میں پائپ کا دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔

"قاسم کو وہاں سے ہٹا دو۔" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"میرے بس سے باہر ہے۔لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔میں صبح سے کوشش کر رہا ہوں کہ اب اس سے نجات مل جائے۔"

"میں ابھی بلوائے لیتا ہوں۔"

"شکریہ......بہت بہت شکریہ۔"

''اور کوئی خاص بات......؟''

''ابھی تک تو ایسی عورت نظر نہیں آئی جس کا تذکرہ کیا تھا آپ نے۔''

''اب اس کی فکر نہ کرو۔ اب وہ میری دسترس میں ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اور وہ عورت تو چھلاوہ تھا۔ ادھر آئی اور اُدھر گئی۔ ایک ہفتہ سے فریدی اس کی نگرانی کر رہا تھا لیکن ابھی تک کسی کو بھی موقع نہ مل سکا تھا کہ قریب سے اس کی ٹھوڑی کے تل کا جائزہ لیتا۔ ویسے سیاہ رنگ کا تل دور سے بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ بالوں میں لگا ہوا خصاب بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے بالوں کی اصل رنگت سیاہ نہ ہوگی۔

اب وہ اُس وین میں بھی نہیں دیکھی جاتی تھی جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ عرفان آرٹسٹ کی ہوسکتی ہے۔ آج کل اس کے پاس سرخ رنگ کی چھوٹی سی اسپورٹ کار تھی۔

اس وقت بھی وہ سرخ رنگ کی گاڑی تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ وہ تارجام جائے گی۔

پچھلے دن اس کی نگرانی کرنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ ایک آدمی سے ملنے کے لئے تارجام جائے گی۔ اطلاع دینے والے نے بہت قریب سے وہ گفتگو سنی تھی جس کے مطابق دونوں تارجام میں ملنے والے تھے۔

فریدی کو اس کی قیام گاہ کا علم بھی تھا۔ اس ایک ہفتے کے دوران میں اس لڑکی کے سلسلے میں بہت کچھ ہوا تھا۔ محکمہ سراغ رسانی کے ایک فوٹوگرافر نے اسپائی کیمرے سے اس کی تصویر لی تھی۔ یہ تصویر عرفان کو دکھائی گئی۔ عرفان نے بتایا کہ وہ اس واردات والی لڑکی سے کسی قدر مشابہت رکھتی ہے۔ بالوں کی رنگت اور تل کے بارے میں فریدی کو عرفان ہی نے بتایا تھا اور

طارق نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ لیکن اسپائی کیمرہ تصویر میں تل کو واضح نہ کر سکا۔ فریدی کا خیال تھا کہ کسی قدر مشابہت والی بات کیمرے کے غلط زاویئے کی بناء پر تھی۔ اگر زاویہ صحیح ہوتا تو عرفان اسے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

بہرحال اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتی ہے۔ فی الحال اس کے خلاف عرفان کی شکایت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا۔ وہ لاش بھی تو برآمد نہیں ہو سکی تھی۔

فریدی اس وقت ایک ایسی ریڈیو کار میں سفر کر رہا تھا جو بظاہر ریڈیو کار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ دوسری ریڈیو کار اس سے ایک میل پیچھے تھی جس میں امر سنگھ تھا۔ وہی اُسے ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پچھلے دو ماہ سے فریدی اپنی نگہداشت کے لئے کچھ ماتحتوں کو اپنے آس پاس ہی رکھتا رہا تھا۔ لیکن کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ حمید کو تو شائد اس کا بھی علم نہیں تھا کہ فریدی نے اس قسم کا کوئی انتظام کیا ہے؟

لڑکی کے بارے میں فریدی نے محسوس کیا تھا کہ وہ سچ مچ خائف ہے ورنہ وہ اس نگرانی کو طول نہ دیتا۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی قریب سے آگے نکل گئی۔ اس کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگے جانے والی اسپورٹ کار کو بھی پیچھے ہی چھوڑ جائے گی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سچ مچ اسپورٹ کار کے برابر پہنچی اور اسپورٹ کار بے تحاشہ سڑک کے کنارے اترتی چلی گئی۔ پھر فریدی نے اسے الٹتے دیکھا۔ ساتھ ہی وہ مائیک میں چیخا۔ ”امر سنگھ......ہیلو......امر سنگھ...... اسپورٹ کار پر فائر ہوئے ہیں۔ وہ بائیں جانب کچے میں الٹ گئی ہے۔ اسے دیکھو۔ میں فائر کرنے والوں کا تعاقب کر رہا ہوں۔“

مائیک کو ہاتھ سے رکھتے ہوئے اس نے گیئر بدل کر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ کار آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتی رہی۔

اور پھر وہ گاڑی نظر آ ہی گئی جس سے فائر ہوئے تھے۔ اب دونوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ

سے زیادہ ڈیڑھ سو گز رہا ہوگا۔ فریدی نے یہی رفتار قائم رکھی۔

ایک بڑی خوش لباس اور خوبصورت لڑکی قاسم سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ قاسم کافی نیچے جھک کر اپنا بایاں کان اس کے منہ کے قریب لایا تھا۔ سرگوشیوں کے دوران میں وہ کبھی الوؤں کی طرح دیدے نچانے لگتا اور کبھی بے ساختہ اس کے دانت نکل پڑتے اور کسی بات کے اعتراف میں سر تو مستقل طور پر ہلے جا رہا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور کام کرنیوالی لڑکیاں بھی کچھ کم متحیر نہیں تھیں۔

دفعتاً قاسم سے سرگوشیاں کرنے والی لڑکی پیچھے ہٹی اور قاسم سیدھا ہوتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کھنچاؤ صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ لڑکی اب فٹ پاتھ پر دکھائی دی۔

قاسم چند لمحے حمید کو اسی طرح گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور اُس کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''قردو حساب...... ٹھینگے سے......؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ کون تھی......؟'' حمید نے سنی ان سنی کر کے سوال کیا۔

''میری والدہ تھی...... تم سے مطلب۔ کردو میرا حساب...... میں جارغا رغی ہوں۔''

''کہاں جا رہی ہو۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''دوسری جگہ...... تمہارا بھی انتظام کردوں گی۔ یہ سالے اس کابل نہیں ہیں کہ کوئی شرپھ عورت ان کے یہاں قام کرے۔''

''کیا بکتی ہو......؟'' حمید غرایا۔

''اب کھاؤ قسم کہ تم سارا دن ان گریبوں کو نہیں گھورتے رہتے۔''

''کیوں بکواس کر رہی ہو۔''

''جبان سنبھالو منیجر صاحب......ورنہ چٹنی بنا کر رکھ دوں گا......گی......گی....!''

''کر بھی دیجئے حساب......!'' فرزانہ بول پڑی جو بہت کم سخن تھی اور کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔

حمید نے سوچا خس کم جہاں پاک اور اس کا حساب کر کے جتنی رقم بنتی تھی حوالے کی۔

قاسم نے جاتے جاتے ساری لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''دیکھو......اس آدمی سے ہوشیار رہنا......ڈاڑھی بڑھا کر شکار کھیلتا ہے سالا......!''

''نکل جاؤ......!'' حمید پیر پٹخ کر دہاڑا۔

قاسم ہنستا ہوا سیڑھیوں سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔

''پتہ نہیں یہ کون تھی......اور کیا کہہ گئی کہ یک بیک دماغ ہی الٹ گیا بیچاری کا......!'' ایک لڑکی بولی۔

رضیہ حمید کی طرف دیکھ رہی تھی اور اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

''کیوں جناب......کیا آپ اس کے خیال سے متفق نہیں۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''ہاں......نفسیاتی نکتہ نظر سے۔'' حمید کا جواب تھا۔ لیکن خود اُسے سخت الجھن تھی کہ آخر یک بیک یہ ہوا کیسے۔ وہ لڑکی کون تھی......اور اس سے کیا کہتی رہی تھی۔

''سخت بدتمیز عورت تھی۔'' رضیہ ہنس کر بولی۔ ''بصیغہ جمع ہی اس کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا یا پھر عورت کے بجائے غورت کہلائی جا سکتی ہے۔''

دفعتاً حمید کو یاد آیا۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ قاسم کو بلوا لے گا۔ تو پھر وہ لڑکی...... ہائے ......ایسے ایسے چاند کے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے ہیں اس تارک لذات کی جھولی میں۔ ''خداوندا میری تقصیر کیا تھی؟''

اگلی گاڑی والوں کو شائد احساس ہو گیا تھا کہ پیچھے نظر آنے والی گاڑی ان کے تعاقب

میں آئی ہے۔لہٰذا اس گاڑی کی رفتار اور تیز ہوگئی۔فریدی سوچ رہا تھا چلو کہاں تک جاؤ گے۔ خود اس کی گاڑی کی ٹنکی لبریز تھی اور کئی گیلن پٹرول ڈکے میں بھی موجود تھا۔

اس نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔اتنے میں ریڈیو سے آواز آئی۔''ہیلو.....کرنل سر ......ہیلو......ہیلو......!''

فریدی نے بائیں ہاتھ سے مائیک اٹھا کر کہا۔''یس اٹ از......!''

''اُسے گولی نہیں لگی۔کہیں کوئی زخم بھی نہیں ہے۔بے ہوش ہے۔گاڑی کے باڈی میں متعدد سوراخ ہیں۔شائد انہوں نے ٹامی گن سے گولیاں برسائی تھیں۔اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔''

''اسے طبی امداد پہنچانے کی کوشش کرو......سختی سے نگرانی رہے......اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی نے مائیک رکھ دیا۔اب اس کا بایاں ہاتھ بھی اسٹیئرنگ پر تھا۔

یک بیک اگلی گاڑی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔فریدی نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبایا۔اس کے قریب ہی ایک خانہ ظاہر ہوا۔ فریدی اس میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ساتھ ہی گاڑی بھی کچے راستے پر موڑ دی۔

اگلی گاڑی کی رفتار اب کسی قدر کم ہوگئی۔دونوں کا درمیانی فاصلہ اب بمشکل تمام پچاس گز رہا ہوگا۔ڈیش بورڈ کے خانے سے فریدی کا بایاں ہاتھ چار سو دس بور کی ایک چھوٹی سی بندوق سمیت باہر آیا۔لیکن قبل اس کے کہ وہ اُسے سیدھی کر پاتا اگلی گاڑی یکلخت بائیں جانب مڑی اور اس کی ایک کھڑکی سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔اگر فریدی نے بھی پھرتی سے اپنی گاڑی کا رخ نہ بدل دیا ہوتا تو ونڈ اسکرین کے پرخچے اڑ گئے ہوتے اور پھر اس کا جو حشر ہوتا ظاہر ہے۔

اس کی گاڑی نے رخ بدل کر ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی کہ وہ ایک پل کے لئے محفوظ ہوگیا۔لیکن اس نے فائر کرنے والے کی بجائے اس کی گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے اور پھرتی

سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

حملہ آور کی گاڑی کے دونوں ٹائر بیکار ہوگئے تھے۔

اپنی گاڑی کی اوٹ لے کر فریدی نے بغلی ہولسٹر سے اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور نکالا ...... بندوق گاڑی ہی میں رہ گئی تھی۔

دوسری گاڑی سے فائروں کی بوچھاڑ رک گئی۔

اب فریدی کی گاڑی سے اس کا فاصلہ بمشکل بیس بائیس گز رہا ہوگا۔ دفعتاً اس نے دیکھا کہ دو آدمیوں نے اس گاڑی سے چھلانگ لگائی اور مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔

اس کا انجام

فریدی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر انکی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ ریوالور کی رینج سے باہر تھے۔

''ٹھہر جاؤ...... ٹھہرو...... ورنہ فائر کردوں گا۔'' فریدی نے انہیں آواز دی۔

لیکن وہ بدستور دوڑتے رہے۔ فریدی ملک الموت کی طرح ان کے پیچھے تھا اور پھر جیسے ہی اس کے اندازے کے مطابق وہ ریوالور کی رینج میں آئے ٹریگر پر ٹھہری ہوئی انگلی نے دو بار جنبش کی۔

وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے دو چار قدم دوڑے اور پھر ڈھیر ہوگئے۔

فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ ایک تڑپ رہا ہے اور دوسرا بالکل بے حس و حرکت ہے۔ تڑپنے والے کی ران میں گولی لگی تھی اور دوسرا اوندھا پڑا تھا۔

فریدی جھک کر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گردن پوری طرح ان ہاتھوں کی گرفت میں آ گئی۔

فریدی اپنے ریوالور کو پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔ بے دھیانی میں توازن برقرار نہ

رکھ سکا۔ جھٹکے کے ساتھ گرے ہوئے آدمی پر آ پڑا۔

گردن پر اس کی گرفت بتدریج مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ وہ فریدی کو نیچے گرا دے۔

یک بیک فریدی نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن گردن کے مسلز کو بدستور اکڑائے رہا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے مقابل زمین پر پڑے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ اسے نیچے گرا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ خود فریدی ہی نے جسم ڈھیلا چھوڑ کر اس کے لئے موقع فراہم کیا تھا۔

یک بیک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور بتدریج فریدی کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کی ناک پر تھا۔

فریدی کی گردن چھوڑ کر وہ مچلا اور اٹھ کھڑا ہوا...... ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ لیکن وہ پھر جھپٹ پڑا۔ پھر اس بار بھی اس کی ناک ہی پر قیامت ٹوٹی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے ناک دبائے ہوئے گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔

ناک کے علاوہ کوئی عضو زخمی نہیں تھا۔ اس کے تو سرے سے گولی لگی ہی نہیں تھی۔ غالباً اس کا اندازہ ہو جانے کے بعد کہ تعاقب کرنے والا تنہا ہے اس نے فریدی سے نپٹ لینے کی سوچی تھی۔

گولی سے زخمی ہونے والا اب بے ہوش ہو چکا تھا۔

"تم دونوں زیر حراست ہو۔" فریدی نے اپنے شکار کو مخاطب کیا۔ جواب بھی چت پڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف گہرا اندھیرا ہو۔

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں ہاتھ اب بھی ناک ہی پر جمے ہوئے تھے۔

عین دروازے کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور حمید نے دیکھا کہ قاسم دروازہ کھول کر باہر آ رہا ہے۔

وہ خاموش بیٹھا رہا۔

قاسم مسکین سی صورت بنائے ہوئے دوکان میں داخل ہوا۔لڑکیاں خاموشی سے اُسے دیکھتی رہیں۔

''میں اب اپنا حساب دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ میں پھر یہیں نوقری قروں غی۔''

''بھاگ جاؤ۔''

''الاقسم......رحم قرو......میرے حال پر......وہ سالی چونا لگا گئی۔''

''کیوں کیا ہوا......؟'' رضیہ نے حیرت ظاہر کی۔

''ارے......وہ حرامزادی جو آئی تھی نا......مسقرا مسقرا کر باتیں کر رہی تھی۔ قہنے لگی میرے ساتھ چلو......میرے قارخانے میں قام قرو......میرے ہی ساتھ رہنا بھی۔ میں اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں۔بس میں نگوڑ ماری چلی گئی۔''

''نگوڑ ماری۔'' اس نے ایسے انداز میں کہا تھا کہ حمید کو ہنسی آ گئی۔

''تو پھر ہوا کیا......؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''پتہ بتایا تھا حرافہ نے لیکن وہ گلت نقلا......نہ کارخانہ ملا......اور فلیٹ میں ایک مولبی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ قہنے لگے یہاں کوئی دردانہ بیگم نہیں رہتی۔ میں نے قہا رہتی ہیں...... بولے اچھی زبردستی ہے۔ پھر آس پاس والوں نے بتایا کہ مولبی صاحب وہاں تنہا رہتے ہیں۔''

''کان نہ کھاؤ......جاؤ یہاں سے۔'' حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''پھر رکھ لیجئے منیجر صاحب۔'' قاسم گھگھیا کر بولا۔

''نہیں جاؤ۔''

''اچھا اگر میں مرد ہو جاؤں تو...... کپڑے کاٹنا بھی آتا ہے مجھے......!''

''مرد ہو جاؤ...... کیا مطلب......؟'' حمید نے بے انتہا حیرت ظاہر کی۔

''اور آپ کیا سمجھتے ہیں جناب کہ یہ عورت ہے۔'' رضیہ نے حقارت سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' حمید اس کی طرف مڑا۔

''سچ کہتی ہوں بڑے بھولے ہیں آپ۔ کسی دہقانی دوشیزہ کی طرح..... کاش آپ کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہوتی۔''

''یہ کیا مذاق ہے۔'' حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ عورت نہیں ہے اور اب اس نے خود ہی مرد بن جانے کا سوال اٹھایا ہے۔''

''کیوں......!'' حمید قاسم کی طرف دیکھ کر غرایا۔

قاسم پہلے تو ''ہی ہی ہی ہی'' کرتا رہا پھر شرما کر بولا۔ ''الاقسم میں عورت نہیں ہوں۔ یہاں نوکری کرنے کے لئے...... ہی ہی ہی ہی......!''

''ہوں...... اچھا...... میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگ دیکھتی رہو بھاگ کر جانے نہ پائے۔''

''ارے ...... یعنی...... ارے باپ رے...... اے سنو تو سہی...... الاقسم...... ہو ہو ہو۔''

حمید دوسرے کمرے کی طرف جھپٹا اور قاسم بدحواسی میں دوکان سے اتر کر سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔

لڑکیاں ہکا بکا کھڑی تھیں۔ قاسم نے شائد ٹیکسی چھوڑی نہیں تھی۔

پتہ نہیں کس طرح ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اس میں ''ٹھنس'' گیا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کے لئے لفظ ''ٹھنسنا'' ہی مناسب ہوگا۔

ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں حمید ٹیلی فون کے قریب دم بخود کھڑا تھا۔ اُسے علم تھا کہ قاسم نکل بھاگا ہے۔ مقصد بھی یہی تھا۔

''اب آپ اپنی ڈاڑھی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔'' پشت سے رضیہ کی آواز آئی جو اتنی بلند نہیں تھی کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں تک بھی پہنچ سکتی۔

''کیا مطلب......؟'' حمید جھلا کر پلٹا۔

''مطلب کا ہوکا لگا ہے آپ کو شائد...... آدھے گھنٹے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار بار آپ نے لفظ مطلب دہرایا ہوگا؟''

''میں اس بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''ڈاڑھی اگر مصنوعی نہ ہو تب سوال پیدا ہوتا ہے توہین کا...... بہرحال اس واقعے کا نفسیاتی تجزیہ۔''

''نفسیاتی تجزیہ۔'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر غرایا۔ ''اب میرے نفسیاتی کفن دفن ہی کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میں اصلی والی عورت ہوں سمجھے جناب۔''

''میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔''

''ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہیں آپ...... اگر میں اتنی دلکش نہ ہوتی تو آپ مجھے کبھی ملازمت نہ دیتے۔''

''دلکش......!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''لاحول ولا قوۃ...... پھٹکار برس رہی ہے چہرے پر۔''

وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایک بار پھر اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

دوسری طرف سے فریدی کہہ رہا تھا۔ ''فوراً سول ہسپتال پہنچ جاؤ۔ امر سنگھ نے ایک زخمی

لڑکی کو وہاں داخل کرایا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس عورت کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لہٰذا اب اُسے زہر بھی دیا جا سکتا ہے۔"

"اور پھر...... یہاں کا کیا ہوگا......؟"

"رضیہ کو اپنے بعد ذمہ دار بنا کر چلے جاؤ۔"

"کیا آپ اُس سے مل چکے ہیں۔"

"بکواس مت کرو...... جو کہہ رہا ہوں کرو۔ ویٹس آل......!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"کون ڈانٹ رہا تھا......!" رضیہ نے پوچھا۔

"کیا...... مم......!" حمید صرف آنکھیں نکال کر رہ گیا۔ لفظ "مطلب" زبان سے نہ نکل سکا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے...... ذرا آپ کے چہرے پر......!"

"خاموش رہو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں یہاں کی ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"زہے نصیب...... جناب نے اس قابل سمجھا۔"

"میں کہتا ہوں زیادہ باتیں مت کیا کرو۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے۔"

"شٹ اپ......!"

سول ہسپتال میں اُسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ اسی خیال کے تحت ہوا ہو کہ وہاں محفوظ رہے گی۔

ڈاکٹر نے حمید کو بتایا وہ کئی بار ہوش میں آ کر غافل ہو چکی ہے۔ اس وقت بھی جاگ نہیں رہی تھی۔

امر سنگھ وہیں موجود تھا۔

''کیا چکر ہے......؟'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''پتہ نہیں...... میں حسب ہدایت اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا کہ کرنل صاحب نے اطلاع دی کہ ایک اسپورٹ کار آگے الٹ گئی ہے اُسے دیکھو......!''

''کہاں ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔''

''نگرانی......!''

''کس کی نگرانی......!''

''کرنل صاحب کی۔''

''کیا......مم......مطلب......!'' حمید کو رضیہ یاد آئی اور زبان لڑکھڑا گئی۔

''آپ نہیں جانتے۔''

''کیا نہیں جانتا۔''

''پچھلے دو ماہ سے کوئی نہ کوئی کرنل صاحب کے آس پاس موجود ہوتا ہے جب بھی وہ باہر نکلتے ہیں۔''

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ حقیقتاً اُسے اس کا علم نہیں تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ عرفان آرٹسٹ سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے۔''

''اُوہ......!''

''اُسے بلوایا گیا ہے......اوہ......وہ آ ہی گیا۔''

راہداری کے سرے پر عرفان دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک سادہ لباس والا بھی تھا۔

عرفان نے ہاتھ اٹھا کر حمید کو سلام کیا۔ امر سنگھ نے زخمی لڑکی تک اس کی رہنمائی کی۔

''وہی ہے......خدا کی قسم وہی ہے۔'' عرفان بے ساختہ بولا۔لیکن پھر کسی قدر اضمحلال کے ساتھ کہا۔''مگر بال......اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے تھے۔''

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے۔'' امر سنگھ نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔''چلو......!''

''لیکن مجھے کب تک اس حال میں رہنا ہوگا۔'' عرفان بڑبڑایا۔

''اس کے ہوش میں آنے تک۔'' حمید بولا۔''بس اب جاؤ۔''

عرفان سادہ لباس والے کے ساتھ چلا گیا۔امر سنگھ اور حمید بے ہوش لڑکی کے بستر کے قریب ہی ٹھہرے رہے۔

''اب آپ اسے دیکھئے گا۔'' امر سنگھ مسکرا کر بولا۔''میرا کام عرفان سے اس کی شناخت کرا دینے کے بعد ختم ہو گیا۔''

حمید نے لاپرواہی سے سر کو جنبش دی اور امر سنگھ باہر چلا گیا۔

لڑکی کے خدوخال دلکش تھے۔ ہر چند کے بالوں اور بھنوؤں کی سیاہ رنگت خضاب کی مرہون منت تھی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہی سے اس کی عادی نہیں رہی ہے۔

حمید نے اخروٹ کی رنگت کے بالوں کا تصور کیا۔اس سے نہ صرف دلکشی میں اضافہ ہو گیا بلکہ یہ بھی محسوس ہوا کہ بالوں کی اصلی رنگت میں یہ چہرہ کچھ اور کمسن نظر آتا ہوگا۔

بستر کے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا اگر وہ سچ مچ قاتلہ ہے تو اُسے افسوس ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس کے چہرے پر نظر تو جمائے ہوئے ہے لیکن شائد واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی۔

''کیا تمہیں کچھ چاہئے۔'' حمید نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

''مورفیا کا انجکشن......میں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔'' لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔زبان اردو ہی تھی اور لہجہ بالکل دیسیوں ہی جیسا تھا۔

حمید نے وارڈ کے سرے پر کھڑی ہوئی نرس کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''اوہ......نہیں......!'' لڑکی پھر بولی۔ ''ہرگز نہیں۔ میں انجکشن نہیں لوں گی۔ کسی قسم کی دوا نہیں پیئوں گی۔''

حمید نے اس کی طرف پُرتشویش نظروں سے دیکھتے ہوئے نرس سے کہا۔ ''ڈاکٹر کو بلاؤ......یہ ہوش میں آ گئی ہے۔''

''پولیس کیس......؟'' نرس نے پوچھا۔

''کیا تم مجھ سے بحث کرو گی۔''

''وہ......دراصل ڈاکٹر......!''

''جاؤ......!''

نرس نے بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چلی گئی۔

لڑکی آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورتی رہی۔

''یہ نرس ابھی کیا کہہ رہی تھی۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔ ''کیسا پولیس کیس......؟''

''بکواس کر رہی تھی۔ تم اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔''

''تم کون ہو......؟''

''ایک ہمدرد......!''

''میں کہاں تھی......؟''

''ایک اسپورٹ کار کے نیچے جو الٹ گئی تھی۔''

''ہاں......مجھے یاد ہے......اچانک بریک فیل ہو گئے تھے۔''

حمید کو پورے واقعات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

''یہ اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف بتاتی ہیں۔'' حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

''نہیں......نہیں......وہ میرا وہم تھا۔'' لڑکی جلدی سے بولی۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

’’لیکن چہرے پر یہ کرب کے آثار......؟‘‘ حمید نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

’’سر میں درد ہے۔‘‘

’’میں ابھی ایک ٹیبلٹ اور مکسچر بھجواتا ہوں۔‘‘ ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

’’نہیں شکریہ......میں کچھ کھاؤں پیوں گی نہیں۔‘‘

’’میں نہیں سمجھا۔‘‘

’’میں دواؤں کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔‘‘

’’حفظ ماتقدم کے طور پر......بعض اوقات اندرونی چوٹیں کئی دن بعد گل کھلاتی ہیں۔‘‘

’’جب کچھ ہوگا......دیکھا جائے گا۔‘‘

’’ذہن پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔‘‘ حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

’’ممکن ہے۔!‘‘ ڈاکٹر نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

’’اوہ......تو کیا اب تم لوگ میرے ذہنی توازن کے بگڑ جانے کے امکانات پر غور کررہے ہو۔ ارے میں صحیح الدماغ ہوں۔‘‘

’’بالکل......بالکل......!‘‘ حمید سر ہلا کر بولا۔

’’خیر میں دیکھوں گا......!‘‘ ڈاکٹر نے حمید سے کہا اور وارڈ سے چلا گیا۔

نرس پھر وارڈ کے سرے پر جا ٹھہری۔

لڑکی حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پلکیں جھپکاتی رہی۔

’’آخر یہ چکر کیا ہے۔‘‘ حمید نے جھلا کر پوچھا۔

جواب میں فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''کم از کم مجھے اس لڑکی کے بارے میں تو معلوم ہونا ہی چاہئے جو میرے چارج میں دی گئی ہے۔''

''تمہارے چارج میں جو لڑکی دی گئی ہے وہ ایک لڑکی ہے......!''

''میں اُسے کریم کیک تو سمجھتا نہیں......!''

''یہ لڑکی ایک اسپورٹ کار میں سفر کر رہی تھی۔ دوسری گاڑی سے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ بچ کر نکل جانے کی کوشش میں کار قابو سے باہر ہوگئی اور کچے میں جا کر الٹ گئی۔''

''لیکن وہ تو کہتی ہے بریک فیل ہوگئے تھے۔ سامنے سے آنے والی کسی گاڑی کو بچانے کے لئے اس نے اسٹیئرنگ بائیں جانب گھما دیا تھا۔''

''حالانکہ سامنے سڑک بالکل سنسان تھی۔''

''اور یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں عرفان آرٹسٹ نے بتایا تھا۔''

''مجھے یہی اطلاع ملی ہے کہ عرفان نے اُسے شناخت کرلیا ہے۔''

''تو یہ وہی قاتلہ ہے......؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ اس نے تمہاری باتوں پر یقین کرلیا ہے؟''

''یقین نہ کرتی تو میرے ساتھ چلی کیوں آتی۔''

''تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟''

''ایگل بیچ والے ہٹ میں۔''

''اور تم یہاں بیٹھے ہو۔''

''وہ مجھے ڈوج دے کر نہیں جاسکتی۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''آخر یہ اطمینان کس بناء پر۔''

''میں ماہر ''لڑکیات'' ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

''اسی لئے ایک ماہر نفسیات تمہیں خودکشی کی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔''

''اوہ...... وہ...... خدا کی قسم ایسی لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کھوپڑی چاٹ گئی۔''

''حالانکہ جناب نے ہی اس کا انتخاب فرمایا تھا۔''

''ان لڑکیوں میں اس سے زیادہ...... مطلب کہ...... کارآمد...... یعنی کہ کارگذار......!''

''جی میں سمجھ گیا...... مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''سوال یہ ہے کہ آپ نے اُس پر اس حد تک اعتماد کیسے کرلیا۔''

''کس حد تک۔''

''یعنی کہ دوکان ہی اُسے سونپ دی۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بھلا اس دوکان کی اہمیت ہی کیا ہے۔''

''بالکل خراب ہوگیا ہے۔ جب اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو...... یہ کھڑاگ...... میرے خدا......'' کہہ کر اُس نے برآمدے سے جو دوڑ لگائی تو ٹھیک اسی جگہ آ کر رکا جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔

جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی اور پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

اور پھر گاڑی کا رخ دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ فریدی کی آواز آئی۔

''ٹھہرو......!''

اتنی دیر میں وہ بھی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔

''اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلو......'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس لڑکی پر ٹامی گن سے فائرنگ ہوئی تھی اور میں نے تمہیں اسی خدشے کے تحت سول ہسپتال بھیجا تھا کہ کہیں اسے زہر نہ دے دیا جائے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' حمید نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور اسکی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

لیکن یہ مسئلہ ابھی تک ذہن میں صاف نہیں ہوا تھا کہ اگر اس لڑکی کے لئے زہن بی

احتیاط کی ضرورت تھی تو وہ اس طرح اس کے حوالے کیوں کر دی گئی تھی۔

جب یہ یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی کی حالت مخدوش نہیں ہے تو فریدی نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کہیں لے جائے لیکن اپنی اصلیت اس پر ظاہر نہ ہونے دے۔ لہٰذا وہ اُسے ایگل بیچ والے ہٹ میں لے گیا تھا اور وہاں سے فریدی کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دینی چاہی تھی۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ فون کی لائن ہی ناکارہ ثابت ہوئی تھی۔

اس نے سوچا تھا کیوں نہ خود ہی جا کر اطلاع دے آئے۔ بعض مسائل پر فریدی سے الجھنا بھی تو تھا اور اب مزید الجھنیں لے کر دوبارہ ایگل بیچ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

درزی خانہ بُری طرح ذہن پر سوار تھا۔ اگر یہ کسی تفتیش ہی کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا تو اصل معاملہ کیا ہوگا

یہی سب کچھ سوچتا اور بور ہوتا ہوا وہ ایگل بیچ تک جا پہنچا۔

ہٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور اتر کر برآمدے میں آ رکا۔

صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ گھنٹی کی گونج اندر سنائی دی۔

اس نے پھر گھنٹی بجائی اور ساتھ ہی آواز بھی دی۔ ''ارے میں ہوں۔ ساجد۔''

''کون ساجد......؟'' اندر سے لڑکی کی آواز......

''وہی ساجد یعنی کہ وہ ساجد جو تمہیں یہاں لایا تھا۔''

''اوہ......اچھا......کیا بات ہے؟''

''ارے تو کیا دروازہ نہیں کھولو گی۔''

''میں تمہاری آواز نہیں پہچانتی۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے شکل بھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''دروازہ کھول کر میری شکل دیکھی جا سکتی ہے۔''

''اگر تم ہو تو واپسی کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا مطلب......؟''

''مجھ پر احسان جتانے آئے ہو۔''

''نہیں......اس ہٹ کے مالکانہ حقوق تمہارے نام منتقل کرنے کے لئے آنا ہی پڑا۔''

''مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہٹ کا کرایہ جس شرح سے چاہو مقرر کر سکتے ہو۔''

''بڑے مزے کی باتیں کر رہی ہو تم تو......!''

''تم کیا چاہتے ہو......؟''

''ایک ہفتے بعد بتا سکوں گا۔''

''کیوں پریشان کر رہے ہو مجھے۔''

''تمہارے لئے ایک بھیانک اطلاع ہے۔''

''میرے لئے......؟ کوئی بھیانک اطلاع ہے......میں نہیں سمجھی۔''

''پولیس کو میری بھی تلاش ہے اور تمہاری بھی۔ تم نے تو بریک فیل ہونے کی کہانی سنا کر جان چھڑائی تھی۔ لیکن میں کیا جواب دوں گا۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو......!'' لڑکی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر کے پھر چٹخنی چڑھا دی۔

''بولو......جلدی بتاؤ......کیا بات ہے۔''

''پولیس کا خیال ہے کہ تم نے اصل واقعہ نہیں بتایا۔''

''پولیس جھک مارتی ہے۔''

''تمہاری گاڑی کے بریک فیل ہو گئے۔ تم نے سامنے سے آنے والی ایک گاڑی کو بچانے کے لئے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی۔ تمہاری گاڑی الٹ گئی۔ لیکن الٹ جانے کے بعد بھی اس کا انجن چلتا رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم سڑک کے نیچے اترتے ہی انجن کا سوئچ آف کر دیتیں۔''

''ہاں......ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ لیکن میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اتنی نروس ہو گئی تھی کہ ہینڈ بریک کو بھی نہ آزما سکی۔''

''چلو یہ بھی سہی......لیکن پولیس کو تو اس پر تشویش ہے کہ گاڑی کا باڈی ٹامی گن کی

گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ گیا ہے۔"

لڑکی کے چہرے پر پہلے تو شکست خوردگی کے آثار نظر آئے پھر وہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"پولیس کی غلط فہمی پر ہنسی آ رہی ہے۔ گولیوں کے وہ نشانات کئی ماہ پرانے ہیں۔ میرے بھائی نے اس پر نشانہ بازی کی مشق کی تھی اور وہ گولیاں فورٹی فائیو کیلیبر کے ریوالور کی تھیں۔ ٹامی گن کی نہیں۔ میرا بھائی فوجی ہے۔ اکثر بہت زیادہ پی جانے کے بعد ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے...... لیکن کیا تم اس کی وضاحت کرنے کے لئے کوتوالی تک چل سکو گی۔"

"میں کیوں جاؤں۔ میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"پھر میری گردن پھنسے گی۔ کیونکہ میں نے اپنا بالکل صحیح نام اور پتہ لکھوایا تھا۔"

"تم تو بڑے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جوابدہی کر لینا۔ ذہانت اور خوبصورتی مشکل سے یکجا ہوتی ہیں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"خدایا...... رحم......!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں! قدر دانی کا شکریہ۔ زندگی میں پہلی بار کسی خاتون کی زبانی اپنے لئے ایسے الفاظ سنے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے کفن دفن کا انتظام خود کروں یا اس کی ذمہ داری محلہ والوں پر ڈال دوں۔"

"سچ کہتی ہوں...... مذاق نہیں...... بڑے پیارے لگتے ہو۔"

"محترمہ میں اتنا زبردست اُلو نہیں جتنا صورت سے معلوم ہوتا ہوں۔"

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔"

"پولیس کو کئی دن سے ایک ایسی لڑکی کی بھی تلاش ہے جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ ٹھوڑی پر سرخ رنگ کا ایک اُبھرا ہوا تل ہے۔"

''تو پھر میں کیا کروں......!'' لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے سر کے پچھلے حصے کے تھوڑے سے بالوں کی اصلی رنگت نکل آئی ہے اور تم نے آئینہ کب سے نہیں دیکھا۔ تل پر جو تم نے سیاہی چڑھائی تھی وہ بھی اُتر چکی ہے۔''

''نہیں......!'' لڑکی تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اور...... ذرا اس لٹ کو بھی ملاحظہ کرو۔'' حمید نے اس کے سر کے پچھلے حصے کی لٹ آگے کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ ''اخروٹ کی رنگت۔''

''یہ...... یہ...... اررر...... تمہیں بھی...... غلط فہمی ہوئی ہے...... اور پپ...... پولیس کو بھی۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''کئی دن ہوئے میں نے اخبار میں کسی آرٹسٹ کی کہانی بھی دیکھی تھی اور اس کہانی کی ہیروئن کا حلیہ تیسرے دن کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔''

''میں نے کوئی کہانی نہیں پڑھی۔''

''بہر حال تم مجھے بتاؤ کہ پھر تم کیا بلا ہو...... ظاہر ہے کہ آسمان سے تو ٹپکی نہ ہوگی۔ نہ زمین پھاڑ کر برآمد ہوئی ہوگی۔ بتاؤ کچھ اپنا اتا پتا۔''

''مم...... میرا نام سارہ رحمان ہے۔ نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلاتی ہوں۔''

''انڈسٹریل ہوم......!'' حمید اچھل پڑا۔

''ہاں...... سلائی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے اور تجارتی پیمانے پر بھی سلائی ہوتی ہے۔''

''یعنی کہ...... یعنی کہ...... درزی خانہ۔''

''ہاں...... درزی خانہ...... لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ درزی خانہ کے نام پر تم کچھ نروس سے ہو گئے ہو۔''

''نن...... نہیں تو...... میں تو خاندانی درزی ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''اپنے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا کام ہوتا ہے۔گارمنٹ فیکٹری۔''

''تھانوں کا کام ہے یا کٹ پیس کا......!''

''ہم صرف ملٹری کے ٹھیکے لیتے ہیں۔'' حمید پائپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔

پھر وہ خاموش ہو گئے۔

سارہ رحمان سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی اور حمید اُسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔''یہ سارہ رحمان کیسا نام ہے۔''

''میری ماں انگریز تھی......اور باپ دیسی......میں یوریشین ہوں۔''

''تب تو تمہیں حق حاصل ہے جب چاہو انگریز بن جاؤ اور جب چاہو اس حد تک دیسی بن جاؤ کہ بال بھی رنگ ڈالنا پڑیں۔''

''میں ایسی تبدیلیوں کی شائق ہوں۔''

''عرفان آرٹسٹ والی کہانی کے بارے میں کیا کہتی ہو۔''

''میں نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے۔''

''لیکن حلیہ......جو پولیس کی طرف سے جاری کیا گیا ہے؟''

''تصویر تو نہیں شائع ہوئی کہ تم اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہو۔''

''مگر یہ سرخ رنگ کا تل اور اخروٹ کی رنگت کے بال......!''

''اس کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''چلو بال تم نے خضاب سے رنگ لئے......لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی خاتون نے اپنے تلوں کی رنگت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''لحظہ بہ لحظہ تبدیلیاں مجھے زیادہ خوش رکھتی ہیں۔''

''بس تو اب اپنے کان اکھاڑ کر ناک کی جگہ چپکاؤ اور ناک مجھے دے دو۔ میں اُسے خشک کر کے کسی شاعر کے مقبرے پر رکھ آؤں گا۔''

''اگر تم نے میری کسی طرح مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرا مضحکہ بھی اڑاؤ۔''

''میں بتاؤں...... میری ایک تجویز ہے...... میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا اور تم بھی اپنی پوزیشن صاف کر سکو گی۔''

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی۔''

''لیکن میری پوزیشن......!''

''تمہارے لئے اس میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔''

''میں بتا چکا ہوں کہ ہسپتال میں میرا نام اور پتہ بھی لکھ لیا گیا تھا۔ جب تمہاری الٹی ہوئی گاڑی میں گولیوں کے بنائے ہوئے سوراخ دیکھے گئے تو پولیس میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں تمہیں اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں لے گیا تھا۔ اس ہٹ کے وجود کا علم کسی کو بھی اس طرح نہیں کہ یہ میرے نام سے منسوب کیا جا سکے۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار اچانک مٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ بشاشت نے لے لی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اس نے جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بات اس کے لئے کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔

حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ دفعتاً دونوں کی نظریں ملیں اور وہ ہنس پڑی۔

''بہت مسرور نظر آ رہی ہو۔''

''اب میں کچھ دن اسی ہٹ میں گذاروں گی۔''

''شوق سے...... لیکن مجھے شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا پڑے گا۔''

''کیوں......؟''

''ارے تو کیا پولیس سے اپنی جان نچواؤں گا۔''

''تم بھی یہیں رہو...... شہر کی طرف جاؤ ہی مت۔''

''لاپتہ ہو جاؤں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ''اور میرے بھائی بند مجھے مردہ سمجھ کر میرے کاروبار پر قبضہ کر لیں۔''

وہ اس پر کچھ کہنے کی بجائے گنگنانے لگی۔

''آؤ ٹوئیسٹ کریں۔''

ٹھیک اُسی وقت اندر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت نوجوان اس کمرے میں داخل ہوا۔

جیسے ہی سارہ کی نظر اُس پر پڑی بوکھلا کر اسٹول سے اٹھ گئی۔

''تت......تم......!''

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور اجنبی کے سینے کا نشانہ لے رہا تھا۔

اجنبی جہاں تھا وہیں ٹھٹھک گیا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید غرایا۔

اجنبی نے جس کے چہرے پر ذہنی پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی چپ چاپ ہاتھ اٹھا دیئے اور مڑ مڑ کر اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے داخل ہوا تھا۔

''تم نے بغیر اجازت اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ صرف اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''کیا پچھلا دروازہ تم نے کھولا تھا۔'' حمید نے سارہ سے پوچھا۔

''نہیں......نہیں تو......!''

''کیا تم نے قفل توڑا ہے۔'' وہ پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ کون ہے......؟'' حمید نے سارہ کو مخاطب کیا۔

''مم......میں......!''

''نہیں......تم اس سے انکار نہیں کرسکو گی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی آمد پر تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تھے جن میں حیرت بھی تھی اور شناسائی کا اعتراف بھی۔''

''یہ ایک فراڈ لڑکی ہے جناب۔'' اجنبی نے کہا۔ اس وقت یہ فراک اور شلوار میں نظر

آرہی ہے بڑی اچھی اردو بول رہی ہے۔لیکن پچھلے ہفتے اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک امریکن ٹورسٹ ہے۔بال اس نے رنگ ڈالے ہیں ورنہ یہ اخروٹی رنگ کے تھے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔''

''اور اس نے مجھے ایک طوفانی رات میں ایک خاص مہم پر بھیجا تھا۔ایک ویران مکان میں......گھنے جنگل کے درمیان......اس کے لئے۔''

اجنبی نے جیب سے ایک چرمی پرس نکالتے ہوئے کہا۔جس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی۔سارہ بے ساختہ اس پر جھپٹ پڑی۔پرس چھین لیا اور اُسے اپنے جمپر کے گریبان میں ٹھونستی ہوئی پیچھے ہٹ آئی۔

دفعتاً حمید کو پھر اُسی دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا جس سے اجنبی آیا تھا۔

عرفان آرٹسٹ......یہ عرفان آرٹسٹ تھا۔

حمید سارہ کی طرف مڑا جس کا چہرہ بے حد زرد ہو چکا تھا۔

''یہی ہے......وہ قاتلہ......!''عرفان ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید نے چھلانگ لگائی اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

''بھاگو......!''اُس نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔''اُن کے پیچھے پولیس بھی ہوگی۔''

''پیچھے ہٹو......!''حمید نے اُسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''کیا کر رہے ہو تم۔''وہ دانت پیس کر بولی۔''تم بھی پھنسو گے۔''

''پھنس جانا میری ہابی ہے......اور پھر جب......!''حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

''یہ مذاق نہیں ہے۔''وہ بپھر گئی اور پھر دروازے کی طرف جھپٹی۔حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور وہ وحشیانہ انداز میں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے اوپر گرنے لگی۔لیکن کلائیوں پر حمید کی گرفت مضبوط تھی۔

''میں ایک پولیس آفیسر ہوں احمق۔''حمید نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''پپ...... پولیس......!''

اس کے ہاتھ یکلخت ڈھیلے پڑ گئے اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ توازن کی حس کھو بیٹھی ہو۔ کمر میں ہاتھ دے کر سنبھال نہ لیتا تو یقینی طور پر اُس کے ساتھ ہی خود بھی گرا ہوتا۔

سارہ کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

حمید نے عرفان سے کہا۔ ''وہ اسٹریچر بچھا دو۔''

اُسے اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ بے ہوش ہو گئی تھی۔

دانت اتنی سختی سے ایک دوسرے پر جمے تھے کہ جبڑوں کی وریدیں اُبھر آئی تھیں۔

ہٹ کے باہر تھوڑے فاصلے پر محکمہ سراغ رسانی کے بہترین نشانہ باز موجود تھے۔ انہیں اس طرح پھیلایا گیا تھا کہ مشکل ہی سے ان کے بارے میں کسی کو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا۔

اور فریدی ہٹ کے عقبی دروازے میں کھڑا دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ گلے میں دوربین لٹک رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ دوربین آنکھوں کی قریب لاتے ہوئے اس کا رخ ساحل کی طرف پھیر دیتا۔

کچھ دیر بعد پشت پر قدموں کی چاپ سن کر مڑا۔

''اوہ......طارق......کیا بات ہے؟''

''وہ بے ہوش ہو گئی ہے جناب۔'' لمبے آدمی نے جواب دیا۔

''میرے اسسٹنٹ نے کیا برتاؤ کیا تمہارے ساتھ......؟''

''ارے صاحب انہوں نے تو ریوالور نکال لیا تھا۔''

''ہوں تو......وہ بے ہوش ہو گئی۔ پرنس کہاں ہے۔''

''اس نے دیکھتے ہی جھپٹ لیا تھا۔ اس وقت اسکے جمپر کے گریبان میں موجود ہے۔''

''ٹھیک ہے......اب تم جاسکتے ہو۔''

''جب بھی کوئی ضرورت ہو آپ اسی فون نمبر پر یاد فرما سکتے ہیں۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کہا اور طارق باہر چلا گیا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتحتوں کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ مقفل کرتے ہوئے اس طرح ساکت و سامت ہو گیا جیسے اچانک کوئی خاص بات یاد آئی ہو۔

سیدھا ہو کر چند لمحے قفل کے سوراخ کو گھورتا رہا پھر اندر جانے کے لئے مڑا۔

حمید سارہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا اور عرفان اسٹریچر کے قریب کچھ ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے خود اُس سے کوئی بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہو۔

''وہ کھڑکی کھول دو......!'' فریدی نے بائیں جانب والی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید سے پہلے عرفان کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے کسی قدر ہوش کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن اب پھر غافل ہوگئی ہے۔''

''جی......!'' فریدی سارہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بے ہوشی خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ذرا قینچی تو لاؤ۔''

''قینچی......!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں سر کے سارے بال اتارنے پڑیں گے۔ ورنہ خدشہ ہے کہ کہیں یہ بے ہوشی پاگل پن کی شکل میں نہ ختم ہو۔''

''اچھا......اچھا......!'' حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

سارہ کے جسم کو جنبش ہوئی پھر ہلکی سی کراہ نکلی۔ آہستہ آہستہ آنکھیں کھلیں اور بالآخر پھیل کر رہ گئیں۔

چت پڑی چھت کو تاکے جا رہی تھی۔ پھر دیدوں نے دائیں بائیں جنبش کی اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھ بیٹھی۔ فریدی سامنے کھڑا تھا۔ اس سے نظریں ملیں اور سارہ کا جسم اس طرح ہل کر رہ گیا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔

اب وہ بغلیں جھانک رہی تھی۔ اتنے میں حمید قینچی لئے ہوئے واپس آیا۔

''اوہ...... گڈ......!'' وہ چٹکی بجا کر بولا۔ ''لیکن اطمینان کر لیجئے...... کہیں بیہوشی پاگل پن ہی پر ختم نہ ہوئی ہو۔''

''نہیں...... میں بالکل صحیح الدماغ ہوں۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یقین نہ کیجئے گا...... ہر پاگل یہی کہتا ہے۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر سارہ کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ فضا پر بوجھل سی خاموشی طاری تھی۔ عرفان بھی ایک ٹک سارہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً سارہ بولی۔ ''میں...... میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اُسے قتل کر دیا تھا۔''

''کسے قتل کر دیا تھا۔'' فریدی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

''نصیر آباد کے مشہور بدمعاش رزم خان کو......!''

''اوہ...... لیکن کہاں قتل کیا تھا......؟''

''اس شریف آدمی کے مکان میں جو نئی سڑک کے کنارے جنگل کے درمیان واقع ہے۔''

''تو ان کا بیان صحیح تھا......؟''

''ہاں...... بالکل......!''

''لیکن ہمیں تو وہاں کوئی لاش نہیں ملی۔''

''لاش کے بارے میں بھی یہی بتا سکیں گے۔ وہ سو رہا تھا۔ کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کوٹ کی جیب میں ریوالور ضرور ہوگا۔ میں نے ریوالور نکال کر دل کی جگہ سینے پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی ورنہ میں اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتی۔''

''لیکن وہ تمہیں کیوں مار ڈالنا چاہتا تھا۔''

''بتا بھی دوں تو اس سے کیا فائدہ......؟''

''تم ایک ذمہ دار آفیسر کو بیان دے رہی ہو۔'' حمید ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''آفیسر......ہونہہ......!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ہونہہ کا کیا مطلب......!'' حمید گرجا۔

''میں موت کے منہ سے بہت قریب ہوں۔'' سارہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔''اس لئے سنو۔تم سب ناکارہ اور غیر ذمہ دار ہو۔تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑی سے بڑی غیر قانونی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔لیکن تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔یا تم مجرموں سے خائف ہوتے ہو یا لمبی رشوتیں لے کر چشم پوشی کرتے ہو یا اس لئے پہلو تہی کرتے ہو کہ تم سے بھی بڑے کسی آفیسر کی سفارش تمہارے ہاتھ روک دے گی۔''

''یہ تو تم سچ کہہ رہی ہو۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

سارا اور زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کرنے لگی۔

''گولڈن ایرو تنظیم کے لئے تم نے کیا کیا...... مجھے بتاؤ کیا وہ تنظیم پوری قوم کو تباہی کی طرف نہیں لے جا رہی۔ملک کا کون سا ایسا شہر ہے جہاں اس کا کاروبار نہ چل رہا ہو۔''

''گولڈن ایرو...... مگر وہ تو محض کہانی ہے۔'' فریدی نے کسی قدر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''اخاہ......تو عوام کی طرح پولیس بھی اس کے بارے میں یہی نظریہ رکھتی ہے۔''

''ہاں آں...... عام طور پر یہی خیال پایا جاتا ہے کہ ملک کے کسی شہر میں چند آدمیوں نے اسی نام سے یہ کاروبار چلایا تھا۔وہ پکڑے گئے۔دوسروں کو موقع ہاتھ آیا انہوں نے بھی یہی نام اختیار کر کے اسی قسم کے کاروبار چلائے۔پھر یہ وبا تیزی سے پورے ملک میں پھیل گئی۔انفرادی کاروبار کرنے والوں نے بھی اسی نام کی آڑ لی۔پکڑے گئے تو گولڈن ایرو تنظیم کا نام لے دیا......؟''

''افسوس کہ آپ لوگ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔''

''خوب......!'' فریدی مسکرایا۔ لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس طفلانہ خیال کی تضحیک کرنا مقصود ہو۔

سارہ اور زیادہ تیز ہوکر بولی۔ ''میں خود اسی تنظیم کی ماری ہوئی ہوں۔ میں جو اسی تنظیم کی ایک رکن بھی ہوں۔''

''ہوں......ہوں......ہوگا......؟'' فریدی نے اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

''تنظیم کے سربراہ کو شبہ ہوگیا ہے کہ میں اس سے واقف ہوں۔ اس لئے وہ مجھے ختم کرادینا چاہتا ہے۔ رزم خان اور اس کے تین گرگے میرے پیچھے تھے۔ رزم خان کو تو میں نے ہی موت کی نیند سلا دیا اور گرگوں کے بارے میں نہیں جانتی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔''

وہ خاموش ہوکر حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ہاں میری کار کی باڈی گولیوں سے چھلنی ہوگئی...... کسی نے دوسری گاڑی سے مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ لہٰذا جب میں جان بچا کر نکل جانا چاہتی تھی الٹ جانے کے بعد گاڑی کا انجن کیسے بند ملتا۔''

''کیا تم بتا سکو گی کہ رزم خان کی لاش کیوں نہ برآمد ہوسکی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں یہ سب کچھ محکمہ پولیس کو صرف ایک آفیسر کو بتا سکتی ہوں۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ اُسی سے ملنے کے لئے تارجام جارہی تھی کہ مجھ پر حملہ ہوا۔''

''ہوں...... کیا نام ہے اس کا۔''

''کرنل فریدی......!'' سارہ نے جواب دیا۔

''تارجام میں ملنا چاہتی تھیں......؟'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''میرے ایک شناسا نے کرنل سے میرے لئے وقت لیا تھا اور ملاقات تارجام میں ٹھہری تھی۔''

''اور وہی آدمی پھر تمہارے لئے موت کا فرشتہ بن گیا تھا۔''

''اس بے چارے کا کیا قصور...... وہ بھی گولڈن ایرو تنظیم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔''

''خیر...... فی الحال وہ حراست میں ہے اور وہ دونوں بھی جنہوں نے تمہاری گاڑی پر

فائرنگ کی تھی۔"

"اُس بے چارے کو کس بناء پر حراست میں لیا گیا ہے۔"

"اس لئے کہ تم پر گولیاں برسانے والے اُسے کے آدمی تھے۔"

"نہیں......؟"

"اور وہ تمہیں مجھ سے ملانے کے لئے تارجام لے جارہا تھا۔ حالانکہ مجھے اس اپائنمنٹ کا کوئی علم نہیں۔"

"آپ سے......!" وہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں۔"

وہ آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھورتی رہی پھر یک بیک دوبارہ اسٹریچر پر جا گری۔

اب وہ کسی ننھی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

حمید بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا فریدی سے بولا۔ "اب......فف......فرمایئے۔"

فریدی نے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کو کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اب آپ جاسکتے ہیں۔" اس نے عرفان آرٹسٹ سے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں بے حد شکر گذار ہوں جناب۔ حوالات میں مجھے کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ ویسے جب بھی آپ یاد فرمائیں گے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے کہتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

عرفان دروازے سے نکل کر بائیں جانب مڑا۔ پھر فریدی دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی دروازے سے گذر کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی چیخ سے کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

یہ بے ہوش سارہ کی چیخ تھی اور ایک تیر اس کے پہلو میں پیوست تھا۔

سامنے والے ہٹ کی کھڑکی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوئی۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی باہر تھا۔ پے در پے دو فائر اس نے کھڑکی پر کئے تھے۔

اس کے وہ ماتحت جو مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے اسے اس عالم میں دیکھ کر دوڑ پڑے۔ ہٹ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔

کھڑکی کے شیشوں میں دو سوراخ تھے اور دوسری طرف کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ فریدی کی ایک گولی نے اس کی پیشانی میں سوراخ کیا تھا اور دوسری سینے پر بیٹھی تھی۔ قریب ہی ایک کمان پڑی نظر آئی۔ کھڑکی کے نیچے والی چھوٹی میز پر دو تیر رکھے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے ہٹ میں واپس آیا۔ یہاں سارہ دم توڑ چکی تھی۔

حمید برآمدے ہی میں کھڑا ملا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ساری احتیاطی تدابیر خاک میں مل گئیں۔'' فریدی نے کہا۔''اس وقت اس کی آواز کسی زخمی شیر کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔''

''کیا وہ نکل گیا......؟''

''ہاں...... بالکل اسی طرح ہاتھ سے نکل گیا کہ اب میرے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔''

''مر گیا......؟''

''دونوں گولیاں کارگر ہوئی تھیں۔ اوہ......وہ پرس......!''

''میرے پاس ہے۔'' حمید نے کوٹ کی جیب پر ہاتھ رکھ کر کہا۔''میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن جس انداز سے وہ اس پر جھپٹی تھی مجھے اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کافی تھا۔''

''اس نے اسی پرس کیلئے طارق کو وہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں مکان کی پشت پر بھی گیا تھا اور اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس پر چڑھ کر وہ صحن میں کودی تھی۔''

''مجھے یاد ہے۔ محض اس لئے یاد ہے کہ آپ نے میرے ساتھ ایک زیادتی کی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اس طرح میرے چہرے پر ڈالی تھی کہ میں جھنجھلا اٹھا تھا۔''

''اور اسی وقت میں نے وہ پرس زمین سے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر تم لوگوں کی روانگی کے بعد جب پرس کا جائزہ لیا تو مجھے وہاں رکنا ہی پڑا۔ پرس کی سادہ سطح پر ایک نشان موجود ہے اور یہی نشان میری دلچسپی کا باعث بنا تھا۔''

حمید نے پرس کو جیب سے نکالا۔ اس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی اور دوسری طرف کی سطح سادہ۔ لیکن اس طرف تیر اور کمان کا نشان تھا اور تیر کا پھل نوکیلا ہونے کی بجائے گول تھا۔

''گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھنے والے یہی نشان استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خیر۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ پرس میں کوئی ایسی بڑی رقم موجود نہیں تھی جس کے لئے وہ اس قسم کا خطرہ مول لیتی۔''

''لیکن یہ گولڈن ایرو کا نشان۔''

''تم جانتے ہو کہ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ عوام تک جانتے ہیں کہ وہ نشان گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے اس کی زندگی کے گاہک کیوں بن گئے تھے۔ لاؤ یہ پرس مجھے دے دو۔''

فریدی نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور جیب میں ڈال لیا۔

''اب کیا کیجئے گا۔''

''ہمارے محکمے کے سارے ذمہ دار آفیسروں کا یہی خیال ہے کہ گولڈن ایرو ایک ایسا خیالی ہوا ہے جو مجرموں کا پشت پناہ بن جاتا ہے۔ حقیقتاً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ کوئی منظم گروہ نہیں بلکہ مختلف لوگ اسی نام کی آر لے کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ میں اُن آفیسروں سے کبھی متفق نہیں رہا۔ عرصہ سے اس تنظیم کے سربراہ کو منظر عام پر کھینچ لانے کی سعی کرتا رہا ہوں۔''

''اوہ...... تو کیا...... گروہ کے وہ لوگ جو پکڑے جاتے ہیں اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔''

''انہوں نے اس کی شکل نہیں دیکھی کیونکہ وہ سرتا پا سیاہ پوش ہوتا ہے اور چہرہ نقاب میں چھپا ہوتا ہے۔ احکامات فون پر ملتے ہیں، ور وہ آدمی بھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا

جس نے لڑکی کو مجھ سے ملانے کا فریب دے کر تارجام کا سفر کرنے کی ہدایت دی تھی۔"

"وہ غریب اسے اپنا ہمدرد سمجھتی رہی تھی۔"

"ہوں......اُوں......!" فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

اُس کے ماتحت لاشوں کو وہاں سے ہٹانے کے لئے انتظامات کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ "اب ہمیں نصیر آباد جانا پڑے گا۔ رزم خان اور اس لڑکی کے بارے میں وہیں سے معلومات حاصل ہوسکیں گی۔ رزم خان کی لاش عرفان کے گھر سے ہٹا کر غائب کردی گئی تھی۔ ممکن ہے رزم خان سرگروہ سے واقف رہا ہو۔ بڑے دل گردے کا آدمی تھا۔"

"کیا میں خود کو درزی خانے سے سبکدوش تصور کروں۔"

"ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ثابت ہوا ہے۔"

"اوہ......ٹھیک یاد آیا۔ لڑکی نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلا رہی تھی۔ کاروباری حیثیت سے اس میں درزی خانہ شامل تھا۔"

"یہ اطلاع اس سلسلے میں سودمند بھی ہوسکتی ہے۔" فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

ختم شد